بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

مختصر اور جامع تفسیری نکات

تذکیر بالقرآن

Reflections from Qur'an

قرآن مجید کی منتخب آیات کی تفسیر

A Summary of Qur’anic Teachings

Part – 4

English - Urdu

حافظ محمد ابو بکر سجاد علوی (خطیب لندن)

Seymour Road

London,

United Kingdom

Telephone: +44 7853099327

پارہ - 4

قرآن مجید کا چوتھا پارہ سورہ آل عمران کی بقیہ آیات 92 تا 200 اور سورہ النساء کی پہلی 23 آیات پر مشتمل ہے۔

اہم تفسیری نکات

پہلا رکوع: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔۔۔ (آل عمران۔92)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

نیکی کی اصل روح یعنی رضائے الٰہی کا حصول، پسندیدہ مال اللہ کے راستے میں دو، خود ساختہ حرام اشیاء، ملت ابراہیمیؑ کی پیروی، کعبۃ اللہ کی شان اور عظمت، بیت اللہ کی برکات، روئے زمین کی پہلی مسجد یعنی مسجد حرام، حج کی فرضیت، اعتصام باللہ یعنی اللہ کے دین پر قائم رہنا۔

پسندیدہ مال اللہ کے راستے میں دو

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔

تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے اور جو چیز تم خرچ کرو گے بے شک اللہ اسے جاننے والا ہے۔ (آل عمران 92)

Donate valuables in charity

You will never achieve righteousness until you donate some of what you cherish. And whatever you give is certainly well known to Allah. (3:92)

صحابہ کرامؓ جو قرآنی احکام کے اولین مخاطب اور رسول کریم ﷺ کے بلاواسطہ شاگرد اور احکام قرآنی کی تعمیل کے عاشق تھے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم نازل ہوتے ہی وہ فکر مند ہی نہیں مستعد بھی ہو گئے تھے۔ اس آیت کے نازل ہونے پر ہر ایک نے اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بے تاب ہو گئے۔ جن کے پاس مال نہ تھا انھوں نے محنت مزدوری کر کے صدقہ وخیرات دینا شروع کر دیا۔ غزوۂ تبوک کے وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انفاق کی بہترین مثال قائم کی۔

نیکی کی اصل روح

اس آیت میں نیکی کی اصل روح کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اصل نیکی محبت ورضائے الٰہی کے حصول کا نام ہے۔ اللہ سے ایسی محبت کہ رضائے الٰہی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی چیز عزیز تر نہ ہو۔ جس چیز کی محبت بھی آدمی کے دل پر اتنی غالب آجائے کہ وہ اسے خدا کی محبت پر قربان نہ کر سکتا ہو، بس وہی بت ہے اور جب تک آدمی اس بت کو نہ توڑے نیکی کی روح کو نہیں پہنچ سکتا۔ مالدار شخص کو یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ سے اس کا مال کم نہیں ہوتا بلکہ مال پاک ہوتا ہے اور بڑھتا ہے اور اس میں اضافہ اور برکت خود اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ آخرت کا اجر اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

پسندیدہ مال سے کیا مراد ہے؟

آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ثواب عظیم اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ کریں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرورت سے زائد فالتو مال خرچ کرنے والے کو کوئی ثواب ہی نہ ملے، بلکہ آیت کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے: وما تنفقوا من شیء فان اللہ بہ علیم۔ یعنی تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔ آیت کے اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ کامل نیکی محبوب چیز خرچ کرنے پر موقوف ہے لیکن مطلق ثواب سے کوئی صدقہ خالی نہیں، خواہ محبوب چیز خرچ کریں یا زائد اور فالتو اشیاء۔ ہاں یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کر لے کہ جب خرچ کرے فالتو اور خراب چیز ہی کا انتخاب کر کے خرچ کرے، لیکن جو شخص صدقہ خیرات میں اپنی محبوب اور عمدہ چیزیں بھی خرچ کرتا ہے، اور اپنی ضرورت سے زائد چیزیں، بچا ہوا کھانا یا پرانے کپڑے، عیب دار یا استعمال شدہ چیزیں بھی خیرات میں دیدیتا ہے، وہ ان چیزوں کا صدقہ کرنے سے کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوتا بلکہ اس کو ان پر بھی ضرور ثواب ملے گا۔

خودساختہ حرام اشیاء

آل عمران۔93-94

قرآن اور محمد ﷺ کی تعلیمات پر جب علماء اہل کتاب کوئی اصولی اعتراض نہ کرسکے (کیونکہ انبیاء سابقین کی تعلیمات اور حضور اکرمؐ کی تعلیم میں کوئی اصولی فرق نہ تھا) تو انہوں نے فقہی اعتراضات شروع کیے۔ اس سلسلہ میں ان کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپ نے کھانے پینے کی بعض ایسی چیزوں کو حلال قرار دیا ہے جو پچھلے انبیاء کے زمانہ سے حرام چلی آرہی ہیں۔

یہ آیات اہل کتاب کے اس اعتراض پر نازل ہوئیں کہ انہوں نے نبی اکرمؐ سے کہا کہ آپؐ دین ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت بھی کھاتے ہیں جب کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ دین ابراہیمی میں (بقول ان کے) حرام تھا۔ اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ حضرت ابراہیم کے دین میں یہ چیزیں حرام ہی نہیں تھیں۔ ہاں البتہ اسرائیل (یعنی حضرت یعقوبؑ) نے کچھ چیزیں مثلاً اونٹ کا گوشت، دودھ خود اپنے اوپر ممنوع کرلیا تھا جس کی وجہ نذر یا بوجہ بیماری پرہیز یا طبعی کراہت تھی۔ بعد میں ان کی اولاد نے اس کو ممنوع سمجھ لیا۔ دوسرا حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ فعل بھی نزول تورات سے پہلے کا ہے۔ اس لیے کہ تورات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت یعقوب علیہ السلام کے بہت بعد نازل ہوئی ہے۔ اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ اور خرگوش وغیرہ کی حرمت کا جو حکم بائیبل میں لکھا ہے وہ اصل توراۃ کا حکم نہیں ہے بلکہ بعد میں تحریف کرکے اس میں داخل کیا گیا ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں یہ چیزیں حرام ہی نہیں تھیں لہٰذا ان چیزوں کا ملت ابراہیمیؑ میں حرام ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگلی آیت میں فرمایا گیا:

فَمَنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (آل عمران۔94)

اس کے بعد بھی جو لوگ اپنی جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے رہیں وہی در حقیقت ظالم ہیں۔ (آل عمران۔94)

Then whoever still fabricates lies about Allah, they will be the ˹true˺ wrongdoers. (3:94)

ملّۃ ابراہیمیؑ کی پیروی

قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (آل عمران۔95)

کہو، اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے، تم کو یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرنی چاہیے، اور ابراہیمؑ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔(آل عمران۔95)

Say, ˹O Prophet,˺ "Allah has declared the truth. So follow the Way of Abraham, the upright—who was not a polytheist. (3:95)

بیت اللہ (کعبہ) کی شان اور عظمت

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (آل عمران۔96)

بے شک سب سے پہلی مسجد جو انسانوں کے لیے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے اس کو خیر و برکت دی گئی تھی اور تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔

The Status of Ka'aba

Surely the first House ˹of worship˺ established for humanity is the one at Bakkah—a blessed sanctuary and a guide for ˹all˺ people.

بیت اللہ شریف کی ظاہری اور معنوی برکات

مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ: بیت اللہ شریف کو پورے جہاں کیلئے برکت اور ہدایت کا ذریعہ بنایا گیا۔(آل عمران۔96)

کعبۃ اللہ کی بے شمار برکات اور فضائل ہیں۔ سب سے پہلا گھر جو منجانب اللہ لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اس میں اللہ کی عبادت کریں وہ خانہ کعبہ ہے۔ وہ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے۔ دوسرے کہ وہ برکت والا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ پورے جہان کے لئے ہدایت ور ہنمائی کا ذریعہ ہے۔

بیت اللہ کی سب سے بڑی برکت گناہوں سے معافی اور بخشش ہے:

حدیث: مَنْ حَجَّ ھٰذَا الْبَیْتَ، فَلَمْ یَرْفُثْ، وَلَمْ یَفْسُقْ، رَجَعَ کَمَا وَلَدَتْہُ أُمُّہُ۔

جس نے اس گھر (کعبہ) کا حج کیا جس میں نہ کوئی بیہودہ بات کی اور نہ ہی کوئی گناہ کیا تو وہ (تمام گناہوں سے پاک ہو کر) اس طرح واپس لوٹا جیسے اس کی ماں نے اُسے جنم دیا تھا۔ (بخاری، مسلم)

حدیث: حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ کوئی انسان **گھر** میں نماز پڑھے اس کو ایک نماز کا ثواب ملے گا، اور اگر اپنے **محلہ کی مسجد** میں ادا کرے تو اس کو پچیس نمازوں کا ثواب حاصل ہو گا، اور جو **جامع مسجد** میں ادا کرے تو پانچ سو نمازوں کا ثواب پائے گا، اور اگر **مسجد اقصیٰ** میں نماز ادا کی تو ایک ہزار نمازوں کا اور میری مسجد (یعنی **مسجد نبویؐ**) میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب حاصل ہو گا اور **مسجد حرام** میں ایک لاکھ نمازوں کا۔ (ابن ماجہ)

حدیث: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی ایک سو بیس (120) رحمتیں روزانہ اس گھر (یعنی بیت اللہ) پر نازل ہوتی ہیں جن میں سے ساٹھ (60) طواف کرنے والوں پر، چالیس (40) وہاں نماز پڑھنے والوں پر، اور بیس (20) بیت اللہ کو دیکھنے والوں پر نازل ہوتی ہیں۔ (بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف کو صرف دیکھنا بھی عبادت ہے اور باعث رحمت ہے۔ جو لوگ فرض ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے اوّل تو وہ سخت گناہگار ہیں دوسرے وہ بیت اللہ کی زیارت اور اس زیارت کے عظیم ثواب سے بھی محروم ہیں۔

The first place of worship on Earth

روئے زمین کی سب سے پہلی مسجد:

حدیث: سیدنا ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) میں نے پوچھا پھر کون سی؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں نے پوچھا ان دونوں مسجدوں کے دوران کتنا زمانہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: چالیس برس کا، پھر تجھ کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہیں نماز پڑھ لے وہ مسجد ہے۔ (مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ)

؎ دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

تعمیر کعبہ

بیت اللہ شریف کی پہلی تعمیر حضرت آدمؑ نے کی۔ آدمؑ کی یہ تعمیر نوحؑ کے زمانے تک باقی تھی، طوفان نوح میں عمارت منہدم ہوئی، اور اس کے نشانات مٹ گئے، اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے انہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا۔ اس کے علاوہ مختلف ادوار میں حسب ضرورت کئی دفعہ کعبہ کی تعمیر و مرمت ہوئی۔ بیت اللہ کی ایک مشہور تعمیر قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی

زمانہ میں کی، جس میں حضورؐ بھی شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا۔ لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر **مختلف تعمیر** کی تھی کہ:

1۔ بیت اللہ کی پوری جگہ کی تعمیر کے بجائے آدھے حصہ پر کعبہ کی تعمیر کی۔ اس کی وجہ یہ تھی بیت اللہ کی تعمیر کیلئے جو حلال مال اس وقت میسر تھا اس میں سے اتنی ہی جگہ تعمیر ہو سکتی تھی۔ بقیہ غیر تعمیر شدہ حصہ کو نیم دائرہ لگا کر چھوڑ دیا گیا جس کو **حطیم** کہا جاتا ہے۔

2۔ دوسری تبدیلی یہ کی کہ حضرت ابراہیمؑ کی تعمیر میں کعبہ کے دو دروازے تھے، ایک داخل ہونے کے لئے دوسرا پشت کی جانب باہر نکلنے کے لئے۔ قریش نے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا۔

3۔ تیسرا تغیر یہ کیا کہ دروازہ بیت اللہ کا سطح زمین سے کافی بلند کر دیا تا کہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جا سکے، بلکہ جس کو وہ اجازت دیں وہی جا سکے۔

اس سلسلے میں الفاظ کے ردوبدل کے ساتھ کئی احادیث میں ذکر ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک مرتبہ فرمایا تھا:

يا عائشة، لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت البيت حتى ازيد فيه من الحجر، فإن قومك قصروا في البناء۔ (مسلم)

دوسری روایت میں ہے: **لولا حداثة قومك بالكفر لنقضت البيت، ثم لبنيته على اساس إبراهيم عليه السلام، فإن قريشا استقصرت بناءه۔۔** (بخاری)

تعمیر کعبہ کے میں احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کعبہ کی موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دوں۔ قریش نے جو تصرفات بناء ابراہیمی کے خلاف کئے ہیں ان کی اصلاح کر دوں، لیکن چونکہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس لئے **فتنہ وفساد** سے بچنے کے پیش نظر اس تعمیر کو اسی حال پر چھوڑ تا ہوں۔

بیت اللہ کی مزید برکات

اگلی آیت میں بیت اللہ کی مزید برکات کو بیان کیا گیا:

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا۔۔ (آل عمران-97)

اس گھر (بیت اللہ) میں واضح نشانیاں ہیں، ابراہیمؑ کا مقام عبادت ہے۔ جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہو جائے اس نے امن وسکون پالیا۔ (آل عمران-97)

Further Blessings of Ka'ba Sanctuary

In it are clear signs and the standing-place of Abraham. Whoever enters it shall be safe and peaceful. (3:97)

اس آیت میں بیت اللہ یعنی کعبہ کی مزید برکات اور فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں اللہ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ امن والا اور محفوظ ہو جاتا ہے۔ دوسرا ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقام ابراہیم ہے۔

مقام ابراہیمؑ سے کیا مراد ہے؟

مقام ابراہیم کا ذکر سورۃ البقرہ، آیت 125 کی تفسیر میں بھی گذر چکا ہے۔

مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے، جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کرتے رہے۔ اس پتھر پر حضرت ابراہیمؑ کے قدم کے نشانات ہیں۔

بقول شاعر:

ـــ وموطی ابراہیم فی الصخر رطبتہ
علی قدمیہ حایا غیر ناعل

یعنی اس پتھر میں ابراہیمؑ کے دونوں پیروں کے نشان تازہ بتازہ ہیں جن میں جوتی نہیں۔

اب اس پتھر کو ایک شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، جسے ہر حاجی مطاف میں باآسانی دیکھ سکتا ہے۔ پہلے یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا، جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوا کہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھو: واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی۔ اس وقت طواف کرنے والوں کی مصلحت سے اس کو اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلے پر رکھ دیا گیا۔ اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔ طواف کے بعد کی دو رکعتیں مقام ابراہیم کے قریب پڑھنا افضل ہے۔ البتہ بعض فقہاء نے فرمایا کہ مسجد حرام کے اندر جس جگہ بھی طواف کی رکعتیں پڑھ لے واجب ادا ہو جائے گا۔

آیت کے اگلے حصے میں بیت اللہ کی تیسری خصوصیت یہ بیان فرمائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے استطاعت رکھنے والوں پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم قرار دیا ہے:

حج کی فرضیّت

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (آل عمران۔97)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔(آل عمران۔97)

Obligation of Hajj

Pilgrimage to this House is an obligation by Allah upon whoever is able among the people. (3:97)

Pilgrimage is obligatory on every Muslim at least once in their lifetime if the person is physically and financially able.

حج کی استطاعت سے کیا مراد ہے؟

استطاعت سے مراد یہ ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والے کے پاس بیت اللہ تک جانے اور واپس آنے کے مصارف ہوں، اس کی غیر حاضری میں اس کے اہلِ خانہ کی گزر اوقات کا انتظام ہو، راستے میں امن و امان ہو اور جان کا خطرہ نہ ہو، وہ صحت مند ہو کہ سفر کی صعوبتیں برداشت کر سکتا ہو اور مناسک حج ادا کرنے کے قابل ہو۔ اس کے ساتھ عورت کے لیے ایک اضافی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ محرم ہو۔ یہ شرط صرف سفر حج کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ شرعی مسافت والے ہر سفر کے لیے ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کو خطبہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: لا تسافر المرأة الا مع ذی محرم "عورت محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔(بخاری، مسلم)

اس موضوع کی روایات میں مسافت سفر کے بیان میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ایک دن اور ایک رات کے سفر کا ذکر ہے۔ دوسری روایت میں تین دن، تین رات کے سفر کا بیان ہے کہ اتنی مسافت کا سفر عورت کے لیے بغیر محرم کے جائز نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حج خواہ فرض ہو یا نفلی، ہر صورت میں عورت صرف شوہر یا محرم کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ فرض حج کی ادائیگی کے لیے سفر کرنے کی صورت میں عورت کے لیے محرم کی شرط نہیں ہے۔ وہ قابلِ اعتماد ساتھیوں یا عورتوں کی جماعت کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ اسے اپنی ذات کے بارے میں حفاظت کا پورا اطمینان ہو۔ امام احمد بن حنبلؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

حج نہ کرنے والوں کیلئے وعید

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ (آل عمران۔97)

اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہو جانا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔(آل عمران۔97)

Warning to those who refuse or neglect the Hajj

And whoever disbelieves (i.e., refuses to perform Haj), then surely Allah is not in need of ˹any of His˺ creation. (3:97)

استطاعت کے باوجود حج نہ کرنے کو قرآن نے کفر سے تعبیر کیا ہے جس سے حج کی فرضیت میں اور اس کی تاکید میں کوئی شبہ نہیں رہتا۔احادیث میں بھی ایسے شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے۔

حج کے بارے میں چند گذارشات

حج بڑھاپے میں ہی کیوں؟

حج کے بارے میں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑھاپے کا کام ہے جب انسان ریٹائر ہو جائے، بچوں کی شادیاں ہو جائیں مکان بن جائے اس کے بعد زندگی کا آخری کام حج رہ جاتا ہے۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حج کا عمر سے کوئی تعلق نہیں۔جس طرح بالغ ہونے کے بعد نماز اور روزے فرض ہو جاتے ہیں، صاحب نصاب ہونے پر سالانہ زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے اسی طرح بالغ ہونے کے بعد صاحب استطاعت ہونے پر حج فرض ہو جاتا ہے لہٰذا فریضہ حج میں بلاوجہ تاخیر درست نہیں۔

ارکان اسلام میں سب سے مشکل رکن حج کا ہے لہٰذا اس کو صحت و تندرستی میں ادا کرنا چاہئے۔سچی بات یہ کہ حج کا اصل لطف جوانی میں ہی ہے۔

اکٹھے حج کا تصور

بعض گھرانوں میں یہ رواج پایا جاتا ہے کہ میاں بیوی اکٹھے حج کی تمنا رکھتے ہیں لہٰذا جب ایک فرد پر حج فرض ہو جاتا ہے تو وہ انتظار میں ہوتا ہے کہ جب تک دوسرے کے وسائل نہیں ہونگے وہ حج پر نہیں جائے گا۔

بعض دفعہ اولاد کی خواہش ہوتی ہے کہ پہلے وہ والدین کو حج کرائیں گے اس کے بعد خود حج کریں گے۔

یاد رکھیے! حج ایک انفرادی عبادت ہے۔ لہٰذا ان وجوہات کی وجہ سے اپنے حج کو موخر کرنا درست نہیں۔

حج کے احکام وآداب

دنیا میں ہر کام کے آداب ہوتے ہیں۔ اور تو اور کھیلوں کے بھی آداب اور اصول مقرر ہیں، حج تو پھر ایک بڑی مقدس اور عظیم الشّان عبادت ہے لہٰذا حج کے سفر پر جانے سے پہلے اس کے احکام وآداب کو سیکھنا اور ان کی پابندی کرنا بہت ضروری ہے۔ بہت سارے لوگ اس اہم پہلو پر توجہ دیئے بغیر حج پر چلے جاتے ہیں اور اتنا خرچ اور مشقت اٹھا کر بھی حج کی سعادت اور مکمل استفادہ سے محروم رہتے ہیں۔

اعتصام باللّٰہ: اللّٰہ کے دین پر قائم رہنا

وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللهِ فَقَدْ هُدِىَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (آل عمران۔101)

جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا۔

Whoever holds firmly to Allah is surely guided to the Straight Path. (3:101)

دوسرا رکوع: يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ۔ (آل عمران۔102)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

معاشرت اور اجتماعیت کے دو اصول:۔خوف خدا یعنی تقویٰ اور اتحاد و اتفاق، اللہ سے حسب استطاعت ڈرو، تفرقہ بازی کی مذمت، باہمی اتفاق و محبت: اللہ کا احسان، پچھلی امتوں کی روش پر نہ چلو، اختلاف و انتشار کی اصل وجوہات: دنیاوی مفاد، نفسانی اغراض، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اصولی ہدایت، نورانی چہرے کن کے ہونگے؟ اللہ کے حضور تمام اعمال کی پیشی۔

اجتماعیت کے دو اصول: خوف خدا اور باہمی اتفاق واتحاد

اس رکوع کی پہلی دو آیات میں معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں کامیابی کے دو اصول بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں ایک تقویٰ اور دوسرا باہمی اتحاد ہے۔

اللہ سے حسب استطاعت ڈرو

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔(آل عمران۔102)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جیسا اس سے ڈرنا چاہیے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ آل عمران۔102

Be mindful of Allah

O You who have believed! Be mindful of Allah in the way He deserves, and do not die except in ˹a state of full˺ submission ˹to Him˺. (3:102)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے احکام و فرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔ اللہ تعالی سے پورا پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی نہ کی جائے اس کا ذکر کیا جائے اور اس کی یاد نہ بھلائی جائے اس کا شکر کیا جائے کفر نہ کیا جائے۔(ابن کثیر)۔

بعض کہتے ہیں کہ اس آیت سے صحابہ کرام پریشان ہوئے تو اللہ تعالٰی نے دوسری آیت نازل فرمائی کہ: فاتقوا اللہ مااستطعتم۔ کہ اللہ تعالٰی سے اپنی استطاعت کے مطابق ڈرو۔(فتح القدیر)

تقوٰی سے کیا مراد ہے؟

لفظ تقوٰی اصل عربی زبان میں بچنے اور اجتناب کرنے کے معنی میں آتا ہے۔اس کا ترجمہ ڈرنا بھی اس مناسبت سے کیا جاتا ہے کہ جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ڈرنے ہی کی چیزیں ہوتی ہیں، ان سے عذاب الٰہی کا خطرہ ہے۔

تقوٰی کے کئی درجات ہیں۔

1۔ تقوٰی کا ادنی درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے، اس معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جاسکتا ہے، اگرچہ گناہوں میں مبتلا ہو، اس معنی کے لئے بھی قرآن میں کئی جگہ لفظ متقین اور تقوی استعمال ہوا ہے۔

2۔ تقوٰی کا دوسرا درجہ جو اصل میں مطلوب ہے وہ ہے اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ نہیں، تقوی کے فضائل و برکات جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجہ پر موعود ہیں۔

3۔ تقوٰی کا تیسرا درجہ وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جو انبیاء کرامؑ اور امت کے نیک ترین لوگوں کو نصیب ہوتا ہے کہ اپنے قلب کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا۔ مذکورہ آیت میں اتقوا اللہ کے بعد حق تقاتہ کا کلمہ بڑھا دیا گیا ہے کہ تقوی کا وہ درجہ حاصل کرو جو حق ہے تقوی کا۔

حق تقوی کیا ہے؟

اس کی تفسیر حضرت عبد اللہ بن مسعود اور ربیع اور قتادہ اور حسن بصریؒ نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعا خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے: حق تقاته هو ان يطاع فلا يعصى و يذكر فلا ينسى ويشكر فلا يكفر۔ (بحر محیط)

حق تقوی یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اس کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولیں نہیں اور اس کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔

اسی مفہوم کو ائمہ تفسیر نے دوسرے عنوانات سے بھی ادا کیا ہے، مثلا بعض نے فرمایا کہ حق تقوی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرے اور ہمیشہ انصاف پر قائم رہے، اگرچہ انصاف کرنے میں خود اپنے نفس یا اپنی اولاد یا ماں باپ ہی کا نقصان ہوتا ہو، اور بعض نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک حق تقوی ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے۔

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا اتقوا الله ما استطعتم ہے یعنی اللہ سے ڈرو جتنا تمہاری قدرت اور اختیار میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ اور طاؤسؒ نے فرمایا کہ یہ درحقیقت حق تقاتہ کی ہی تفسیر و تشریح ہے اور مطلب یہ ہے کہ معاصی اور گناہوں سے بچنے میں اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کردے تو حق تقوی ادا ہوگیا، اگر کوئی شخص اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے بعد کسی خلاف تقوٰی کام میں مبتلا ہوگیا تو وہ حق تقوٰی کے خلاف نہیں۔

اگلے جملے میں ارشاد فرمایا: فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقوی درحقیقت دین اسلام پر عمل کرنے کا ہی نام ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ تمہارا خاتمہ اسلام پر آنا چاہیے۔ اس آیت سے خاتمہ بالایمان اور خاتمہ بالخیر کی اہمیت بھی معلوم ہوگئی۔ بعض روایات حدیث میں آیا ہے کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے کہ ساری عمر اعمال صالحہ کرتے ہوئے گزر گئی، آخر میں مرنے سے پہلے کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے سارے اعمال ضائع اور برباد ہوگئے۔

معاشرتی قوت کا دوسرا اصول: باہمی اتفاق واتحاد

اگلی آیت میں اجتماعی قوت کا دوسرا اصول بیان کیا گیا:

تفرقہ بازی اور انتشار کی ممانعت

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا۔۔ (آل عمران۔103)

تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔(آل عمران۔103)

Don't be divided

And hold firmly to the rope of Allah and do not be divided.

اتحاد واتفاق کی اہمیت

اتفاق واتحاد ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود ومطلوب ہونے پر دنیا کے تمام انسان خواہ وہ کسی ملک اور کسی زمانے کے ہوں، کسی مذہب و نظریہ سے تعلق رکھتے ہوں سب کا اتفاق ہے اس میں دورائیں ہونے کا امکان ہی نہیں، دنیا میں شاید کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلے جو لڑائی جھگڑے کو مفید اور بہتر جانتا ہو۔ اس لئے دنیا کی ہر جماعت، ہر پارٹی لوگوں کو متفق کرنے کی ہی دعوت دیتی ہیں، لیکن دنیا کے حالات کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اتفاق کے مفید اور ضروری ہونے پر سب کے اتفاق کے باوجود ہو یہ رہا ہے کہ انسانیت فرقوں، گروہوں، پارٹیوں میں بٹی ہوئی ہے، پھر ہر فرقہ کے اندر فرقے، پارٹی کے اندر پارٹی اور جماعت کے اندر جماعت کا لامحدود سلسلہ ایسا ہے کہ صحیح معنوں میں اتحاد واتفاق ایک افسانہ بن کر رہ گیا ہے۔ وقتی اغراض کے تحت لوگ کسی بات پر اتفاق کرتے ہیں، اغراض پوری ہو جائیں، یا ان میں ناکامی ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ اتفاق ختم ہو جاتا ہے بلکہ افتراق اور عداوتوں کی نوبت آتی ہے۔

اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہر گروہ وہر فرقہ لوگوں کو اپنے خود ساختہ پروگرام پر متحد و متفق کرنا چاہتا ہے، اور جبکہ دوسرے لوگ خود اپنا بنایا ہوا کوئی نظام و پروگرام رکھتے ہوں تو لازمی طور پر ہر دعوت اتحاد کا نتیجہ افتراق وانتشار نکلتا ہے۔

قرآن حکیم نے صرف اتحاد واتفاق اور تنظیم واجتماعیت کا وعظ ہی نہیں فرمایا بلکہ اس کے حاصل کرنے اور باقی رکھنے کا ایک ایسا منصفانہ وعادلانہ اصول بھی بتلا دیا جس کے ماننے سے کسی گروہ کو اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ وہ یہ ہے کہ رب العالمین کا دیا ہوا دین اور نظام ایسی چیز ہے کہ اس پر سب انسانوں کو متفق ہونا چاہیے۔ کوئی عقلمند انسان اس سے اصولاً انکار نہیں کر سکتا۔ خاتم الانبیاء ﷺ اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام قرآن کی صورت میں لائے ہیں اس پر عمل کے سوا اخروی کامیابی ممکن نہیں۔ اس اصول کو ماننے کے بعد اگر کوئی باہمی اختلاف رہے گا تو وہ صرف فہم قرآن وسنت اور تعبیر دین میں رہ سکتا

ہے اور اگر ایسا اختلاف حدود کے اندر ہے بھی تو نہ وہ مذموم ہے اور نہ انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے مضر بلکہ ایسا اختلاف رائے ایک فطری امر ہے۔

قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں اس افتراق کو مٹانے کا نسخہ اکسیر اس طرح بتلایا ہے: واعتصموا بحبل اللہ جمیعا۔ یعنی اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامو۔ عبداللہ بن مسعودؓ کے مطابق اللہ کی رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔

تمسک بالقرآن والسنۃ ہی وہ چیز ہے جس سے اصلاح امت ممکن ہے۔ قرآن وسنت کو نظر انداز کر کے امت مسلمہ کی اجتماعی زندگی کے ساتھ ساتھ انفرادی زندگی میں بھی کوئی خیر نہیں۔ آج اسی قرآنی اصول کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے ہماری پوری ملت انتشار وافتراق میں پھنس کر برباد ہو رہی ہے۔ قرآن کو یا دین کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک امت بناتا ہے۔

وحدت کا یہی اصول پوری امت کو بلکہ پوری انسانیت کو متحد کر سکتا ہے۔ ورنہ جو عربی ہے وہ عجمی نہیں بن سکتا، جو یورپین ہے وہ ایشین نہیں بن سکتا، جو کالا ہے وہ گورا نہیں ہو سکتا، جو قریشی ہے وہ تمیمی نہیں بن سکتا، ساری دنیا کے لوگ ایک زبان نہیں بول سکتے، نہ ساری دنیا کے لوگ نہ مشرقی بن سکتے ہیں اور نہ مغربی۔ اس لئے وحدت کی باقی صورتیں بہت ہی محدود دائرہ میں ہو سکتی ہیں، ان کا دائرہ کبھی اور کہیں پوری انسانیت کو اپنی وسعت میں لے کر پوری دنیا کو ایک وحدت پر جمع کرنے کا دعویٰ کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے قرآن کریم نے مرکز وحدت حبل اللہ یعنی قرآن اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام حیات کو بنایا جس کا اختیار کرنا اختیاری امر ہے۔ دنیا کا ہر شخص اس معقول اور صحیح وحدت کو اختیار کر سکتا ہے، اور دنیا بھر کے پورے انسان اس وحدت پر جمع ہو کر بھائی بھائی بن سکتے ہیں، اور اگر وہ آبائی رسم ورواج سے ذرا بلند ہو کر غور کریں تو ان کو اس کے سوا کوئی معقول اور صحیح راہ ہی نہ ملے گی کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام کو پہچانیں، اور اس کا اتباع کریں۔ جس کا نتیجہ ایک طرف یہ ہو گا کہ پوری انسانیت ایک مضبوط و مستحکم وحدت سے مربوط ہو جائے گی۔ دوسرا یہ کہ اس وحدت کا ہر فرد اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام کے مطابق اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کر کے اپنی دنیوی اور دینی زندگی کو درست کر لے گا۔ یہ وہ حکیمانہ اصول ہے جو اتحاد امت اور اتحاد انسانیت کی بنیاد بن سکتا ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت ہر وقت اور ہر جگہ ان سب کو بآواز بلند یہ دعوت دے رہی ہے کہ یہ جاہلانہ امتیازات در حقیقت امتیازات ہیں اور نہ ان کی بنیاد پر قائم ہونے والی وحدت کوئی معقول وحدت ہے، اس لئے اعتصام بحبل اللہ کی وحدت

اختیار کریں، جس سے ان کو دنیا اور آخرت میں سربلندی اور کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ان کی قسمت میں کوئی خیر مقدر ہے تو وہ اسی راستہ سے مل سکتی ہے۔

پیارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ نے عصبیت کی ساری دیواروں کو گراتے ہوئے کالے گورے، عربی عجمی، چھوٹے بڑے، بادشاہ غلام، کے فرق کو مٹا کر عرب کے ابو بکر، حبشہ کے بلال، روم کے صہیب، فارس کے سلمان کو یکجا کر کے نہ صرف رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کے درجہ پر پہنچا دیا تھا بلکہ انسانیت کے باغ کو سینچ کر نوعِ انسانی کو ایک خاندان میں تبدیل کر دیا تھا، جس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا تھا۔ مگر ہم امتیوں کا حال یہ ہے کہ فرقہ واریت کا طوق گلے میں ڈال کرامت کے شیرازہ کو بکھیرتے ہوئے اپنے سے قریب لوگوں کو دور کر کے انسانیت کو خانہ در خانہ تقسیم کرتے ہوئے، اللہ کے بندوں کو اس کے خالق و مالک سے دور کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا: جو عصبیت پر مرا وہ جہالت پر مرا اور جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم میں سے نہیں۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرمایا ہے، اور تین چیزوں کو ناپسند، پسندیدہ چیزیں یہ ہیں:

1۔ اول یہ کہ تم عبادت صرف اللہ کیلئے کیا کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

2۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامو، اور نااتفاقی سے بچو۔

3۔ سوم یہ کہ اپنے حکام اور اولوا الامر کے حق میں خیر خواہی کا جذبہ رکھو۔

اور وہ تین چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں یہ ہیں۔

1۔ بلا ضرورت قیل و قال یعنی فضول بحث و مباحثہ

2۔ بلا ضرورت کسی سے سوال کرنا

3۔ اضاعت مال۔

(بحوالہ ابن کثیر)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپ مومنوں کو آپس میں رحم کرنے، محبت رکھنے اور مہربانی کرنے میں ایسا پائیں گے جیسا کہ ایک بدن ہو' جب اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورے جسم کے سارے اعضاء بے خوابی، بے تابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔(بخاری، مسلم)

اس حدیث مبارک میں حضورؐ نے **مسلم معاشرے کی حقیقت** بڑے عمدہ انداز میں بیان فرمائی ہے مل جل کر رہنے اور اکٹھے زندگی گزارنے کا نام معاشرہ ہے، اسلامی تعلیمات کے آنے سے پہلے بھی لوگ **مل جل** کر رہتے تھے۔ زمین کے مختلف حصوں میں لوگ مختلف طریقوں سے زندگی گزارا کرتے تھے۔ لیکن حضورؐ نے امت مسلمہ کو مسلم معاشرہ کی ایسی خصوصیات عطا فرمائیں کہ جن سے انسان کو محض اپنے زندہ رہنے کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی میں مکمل طور پر شریک ہونے کی تعلیم ملتی ہے۔

زمانہ جاہلیت میں انسان تہذیب و اخلاق سے ناواقف ہونے کی وجہ سے انتہائی پستیوں میں گرے ہوئے تھے' اسلام کا ان پر **احسانِ عظیم** ہے کہ ایک مختصر عرصہ میں وہی لوگ تہذیب و تمدن کے بلند پایہ معیار پر نظر آنے لگے اور ان کا معاشرہ دنیا بھر کے لیے **عملی نمونہ** بن گیا وہ مسلمان جس نئے ملک میں قدم رکھتے وہاں کے لوگ ان کی معاشرتی عملی زندگی سے اس قدر **متاثر** ہوتے کہ اسلام قبول کر لیتے۔

اتّحاد کے لیے ضروری ہے کہ **عصبیت** اور **فرقہ واریت** سے پوری طرح بچا جائے۔ فرقہ، علاقہ، نسل، رنگ، زبان، قبیلہ کی بنیاد پر گروہ بندی ہی عصبیت ہے۔ اگر کسی فرد یا گروہ کی کسی تقریر، تحریر یا عمل سے عصبیت کی بو آئے تو اسے فوری طور پر روکنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے کہ ایک آدمی کی شورش بھی بڑی چیز ہے۔ **دیا سلائی** کی ایک سلائی پورے جنگل کو جلا سکتی ہے، ٹھیک اسی طرح ایک انسان یا گروہ بھی پوری دنیا میں **فتنہ** برپا کر سکتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ فرقہ واریت سے پوری طرح بچا جائے نیز ہر حال میں اتحاد کو قائم و دائم رکھا جائے کیوں کہ یہ ایسی اجتماعی ضرورت ہے، جس کے بغیر کسی بھی خاندان و قوم کی بقا و ترقی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اتحاد کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ فرقہ واریت ہی ہے، یہ جذبات کو منفی سمت میں پروان چڑھاتی ہے۔ یہ اندھی ہوتی ہے، یہ عقل کو ماؤف اور مفلوج کرتی ہے، یہ تفریق اور بھید بھاؤ پیدا کرتی ہے، اس کی پکار **جاہلیت کی پکار** ہے۔

بقول شاعر مشرق:

ؔ منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی، قرآن بھی اللہ بھی ایک
کیا بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

عصر حاضر میں اتحاد امت

موجودہ حالات میں اتحاد بین المسلین کی واحد صورت یہ ہے کہ اپنا مسلک چھوڑو نہیں اور دوسرے کا مسلک چھیڑو نہیں کی پالیسی اپناتے ہوئے اتحاد امت کی کوشش کی جائے۔

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ

وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اپناتے ہوئے امت کو غیر اہم ایشوز میں الجھانے کے بجائے امت کی توانائیوں اور ان کے وقت کے قیمتی سرمایہ کو ان کے حق میں ٹھوس اور تعمیری کاموں میں لگائیں، امت کی دینی حالت کی اصلاح، اعمال کی طرف دعوت، معاشرت و معاملات کی درستگی اور غیر مسلموں میں پیغام حق وصداقت کو عام کرنے کی جدوجہد کی جائے۔ اللہ تعالی ہمیں ان کاموں کی توفیق عطا کرے۔

باہمی اتفاق اور محبت: اللہ کا احسان

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَ لَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (آل عمران۔103)

اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اُس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ اِن علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔ (آل عمران۔103)

Unity is Allah's blessing

Remember Allah's favour upon you when you were enemies, then He united your hearts, so you—by His grace—became brothers. And you were at the brink of a

fiery pit and He saved you from it. This is how Allah makes His revelations clear to you, so that you may be ˹rightly˺ guided. (3:103)

یہاں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام پر اپنے احسان کا ذکر فرما رہے ہیں کہ تم آگ یعنی جہنم کے کنارے پہنچ چکے تھے لیکن ہم نے تمہیں اسلام کی توفیق عطا فرما کر اس آگ سے بچا لیا۔ یہ اشارہ ہے اس حالت کی طرف جس میں اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں لوگ مبتلا تھے۔ قبائل کی باہمی عداوتیں بات بات پر ان کی لڑائیاں، جن کی بدولت قریب تھا کہ پورا معاشرہ نیست و نابود ہو جاتا۔ اس آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے، اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت سب دیکھ رہے تھے کہ اوس اور خزرج کے وہ قبیلے، جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، باہم مل کر شیر و شکر ہو چکے تھے، اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایثار و محبت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔

جاہلیت کے زمانے میں اوس و خزرج کے درمیان بڑی لڑائیاں اور سخت عداوت تھی آپس میں برابر جنگ جاری رہتی تھی جب دونوں قبیلے اسلام لائے تو اللہ کے فضل سے بالکل ایک ہو گئے سب حسد بغض جاتا رہا اور آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار اور اللہ تعالیٰ کے دین میں ایک دوسرے کے ساتھ یکجان ہو گئے، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ۔۔ وہ اللہ جس نے تیری تائید کی اپنی مدد کے ساتھ اور اہل ایمان کے ساتھ۔ اور ان کے دلوں میں الفت و محبت ڈال دی۔ (الانفال:62۔63)

حنین کی فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کرتے ہوئے مصلحت دینی کے مطابق حضورؐ نے بعض لوگوں کو زیادہ مال دیا تو کسی شخص نے کچھ نامناسب الفاظ زبان سے نکال دیئے جس پر حضورؐ نے جماعت انصار کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اے جماعت انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی۔ کیا تم متفرق نہ تھے؟ پھر رب دوعالم نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں باہمی محبت ڈال دی۔ کیا تم فقیر نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے غنی کر دیا؟ ہر ہر سوال کے جواب میں یہ پاکباز جماعت کہتی جاتی کہ ہم پر اللہ تعالیٰ اور رسول کے بے شمار احسانات ہیں۔

ایک دفعہ اچانک جب اوس و خزرج میں پرانی عداوت کی آگ بھڑک اٹھی یہاں تک کہ تلواریں سونت لی گئیں، دوبارہ جاہلیت کے نعرے لگنے لگے ہتھیار سجنے لگے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن گئے اس وقت حضور ﷺ نے یہی آیت پڑھ کر

سنائی اور دونوں گروہوں کو ٹھنڈا کیا۔ جس کا اثر یہ ہو کہ ان متحارب قبیلوں نے آپس میں نئے سرے سے صلح کی، آپس میں معانقہ و مصافحہ کیا اور پھر بھائیوں کی طرح گلے مل گئے ہتھیار ڈال دیئے اور صلح صفائی ہو گئی۔

پچھلی امتوں کی روش پر نہ چلو

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (آل عمران-105)

کہیں تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اُس روز سخت سزا پائیں گے۔(آل عمران-105)

And do not be like those who split ⌜into sects⌝ and differed after clear proofs had come to them. It is they who will suffer a tremendous punishment. (3:105)

یہ اشارہ ان امتوں کی طرف ہے جنہوں نے اللہ کے پیغمبروں سے دین حق کی صاف اور سیدھی تعلیمات پائیں مگر کچھ مدت گزر جانے کے بعد اساس دین کو چھوڑ دیا اور غیر متعلق ضمنی و فروعی مسائل کی بنیاد پر الگ الگ فرقے بنانے شروع کر دیے، پھر فضول ولایعنی باتوں پر جھگڑنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ نہ انہیں اس کام یعنی دعوت و تبلیغ کا ہوش رہا جو اللہ نے ان کے سپرد کیا تھا اور نہ عقیدہ و اخلاق کے ان بنیادی اصولوں سے کوئی دلچسپی رہی جن پر درحقیقت انسان کی فلاح و سعادت کا مدار ہے۔

یہ آیت درحقیقت آیت واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کا تتمہ ہے۔ پھر اس آیت ولا تکونوا کالذین تفرقوا سے اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ تفرق اور اختلاف نے پچھلی قوموں کو تباہ کر دیا، ان سے عبرت حاصل کرو، اور اپنے میں یہ مرض پیدا ہونے نہ دو۔ اس آیت میں جس تفرق و اختلاف کی مذمت ہے اس سے مراد وہ تفریق ہے جو اصول دین میں ہو یا فروع میں نفسانیت کے غلبہ کی وجہ سے ہو۔ چنانچہ آیت میں یہ قید کہ وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ۔ یعنی واضح احکامات آجانے کے بعد انہوں نے تفرقہ ڈالا، اس امر پر واضح قرینہ ہے۔ کیونکہ اصول دین سب واضح ہوتے ہیں، اور فروع بھی بعض ایسے واضح ہوتے ہیں کہ اگر نفسانیت نہ ہو تو اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی۔ لیکن جو فروع غیر واضح ہیں کسی نص صریح نہ ہونے کی وجہ سے یا نصوص کے ظاہری تعارض کی وجہ سے ایسے فروع میں رائے و اجتہاد سے جو اختلاف پیدا ہوتا ہے وہ اس آیت کے مفہوم میں

داخل نہیں۔وہ حدیث صحیح اس کی اجازت کے لئے کافی ہے جس کو بخاری و مسلم نے مرفوعاعمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ جب کوئی اجتہاد کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔تو معلوم ہوا کہ جس اختلاف اجتہادی میں خطا ہونے پر بھی ایک ثواب ملتا ہے وہ مذموم نہیں ہو سکتا،لہذا وہ اجتہادی اختلاف جو صحابہؓ اور ائمہ مجتہدین میں ہوا ہے اس کو اس آیت مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں۔بقول حضرت عمر بن عبد العزیزؒ صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لئے موجب رحمت ور خصت ہے۔(بحوالہ روح المعانی بروایۃ البیہقی)

یہاں سے ایک بہت اہم اصولی بات واضح ہو گئی کہ جو اجتہادی اختلاف شرعی اجتہاد کی تعریف میں داخل ہے اس میں اپنے اپنے اجتہاد سے جس امام نے جو جانب اختیار کر لی اگرچہ عند اللہ اس میں سے صواب اور صحیح صرف ایک ہے دوسرا خطا ہے، لیکن یہ صواب و خطا کا فیصلہ صرف حق تعالیٰ کے کرنے کا ہے،وہ محشر میں بذریعہ اجتہاد و صواب پر پہنچنے والے عالم کو دوہرا ثواب عطا فرمادیں گے،اور جس کے اجتہاد نے خطا کی ہے اس کو ایک ثواب دیں گے۔اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اجتہادی اختلاف میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ یقینی طور پر یہ صحیح ہے دوسرا غلط ہے،ہاں اپنی فہم و بصیرت کی حد تک ان دونوں میں جس کو وہ اقرب الی القرآن والسنۃ سمجھتے ہیں اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک یہ صواب ہے،مگر احتمال خطاء کا بھی ہے،اور دوسری جانب خطا ہے،مگر احتمال صواب کا بھی ہے۔یہ بات تمام ائمہ فقہاء میں مسلم ہے۔

فقہی اور اجتہادی اختلافات میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے۔ اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر خود امر منکر ہے،اس سے پرہیز لازم ہے یہ وہ بات ہے جس میں آج کل بہت سے اہل علم بھی غفلت میں مبتلا ہیں۔اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر تبرا اور سب و شتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے،جس کا نتیجہ انتشار بین المسلمین کی صورت میں جگہ جگہ نظر آرہا ہے۔اجتہادی اختلاف بشرطیکہ اصول اجتہاد کے مطابق ہو وہ بھی اس آیت کے خلاف اور مذموم نہیں۔مثلاً امام شافعی اور دوسرے ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ جو نماز جماعت کے ساتھ امام کے پیچھے پڑھی جائے اس میں بھی مقتدیوں کو سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے،اور ظاہر ہے جو اس فرض کو ادا نہیں کرے گا،اس کی نماز ان کے نزدیک نہیں ہو گی،اس کے بالمقابل امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقتدی کو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا جائز نہیں،اسی لئے حنفیہ نہیں پڑھتے، لیکن پوری امت کی تاریخ میں کسی سے نہیں سنا گیا کہ شافعی مذہب والے حنفیوں کو تارک نماز کہتے ہوں،کہ تمہاری نمازیں نہیں ہوئیں،اس لئے تم بے نمازی ہو،یا ان پر اس طرح نکیر کرتے ہوں جیسے منکرات شرعیہ پر کی جاتی ہے۔امام ابن عبد البر اپنی کتاب جامع العلم میں اس مسئلہ کے متعلق سنت سلف کے بارے میں یہ بیان فرماتے ہیں:

عن یحییٰ بن سعید قال ما برح اھل الفتوی یفتون فیحل ھذا ویحرم ھذا فلا یری المحرم ان المحل ھلک لتحلیلہ ولا یری المحل ان المحرم ھلک لتحریمہ۔(جامع بیان العلم)

یحیٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتوی فتوی دیتے رہے ہیں ایک شخص غیر منصوص احکام میں ایک چیز کو اپنے اجتہاد سے حلال قرار دیتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتوی دیا ہے وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا، اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ حرام کا فتوی دینے والا ہلاک اور گمراہ ہوگیا۔

یہاں ایک تنبیہ بھی ضروری ہے کہ اجتہاد صرف ان مسائل میں کیا جاسکتا ہے جن کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی فیصلہ موجود نہیں یا ایسا مبہم ہے کہ اس کی تفسیریں مختلف ہوسکتی ہیں، یا چند آیات وروایات سے ظاہراً دو متضاد چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ ایسے مواقع پر صرف ان لوگوں کو اجتہاد کرنے کی اجازت ہے جن میں شرائط اجتہاد موجود ہیں۔ مثلاً قرآن وحدیث کے متعلق تمام علوم وفنون کی مکمل مہارت، عربی زبان کی مکمل مہارت، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کی مکمل واقفیت وغیرہ۔ جس شخص میں یہ شرائط اجتہاد موجود نہ ہوں اس کے اختلاف کو اجتہادی اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔

اختلاف وانتشار کی اصل وجوہات: دنیاوی مفاد، نفسانی اغراض

وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ هُمُ الْبَيِّنٰتُ۔ روشن دلیلیں آجانے کے بعد انہوں نے تفرقہ ڈالا۔(آل عمران۔105)

اس سے معلوم ہوا کہ علماء اہل کتاب کے باہمی اختلاف وتفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حق کا پتہ نہ تھا اور وہ اس کے دلائل سے بے خبر تھے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں سب کچھ جانتے ہوئے محض دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لئے اختلاف وتفرقہ کی راہ پکڑی تھی اور اس پر جمے ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے سے بار بار اس حقیقت کی نشان دہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ مگر افسوس کہ اس امت کے تفرقہ بازوں نے بھی ٹھیک یہی روش اختیار کی کہ حق اور اس کی روشن دلیلیں خوب اچھی طرح معلوم ہیں۔ لیکن وہ اپنی فرقہ بندیوں پر جمے ہوئے ہیں اور اپنی عقل وذہانت کا سارا جوہر سابقہ امتوں کی طرح تاویل اور تحریف کے لاحاصل شغل میں ضائع کررہے ہیں۔(العیاذ باللہ)

چہروں کا نور اور سیاہی

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ۔ (آل عمران۔106)

جس دن بعض چہرے سفید (نورانی) ہونگے اور بعض سیاہ۔ سیاہ چہروں والوں سے کہا جائے گا کہ نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا اب اِس کفران نعمت کا عذاب چکھو۔ (آل عمران 106)

Bright and Gloomy Faces

On that Day some faces will be bright while others gloomy. To the gloomy-faced it will be said, "Did you disbelieve after having believed? So, taste the punishment for your disbelief. (3:106)

چہرے کی سفیدی اور سیاہی سے کیا مراد ہے؟

چہرے کی سفیدی اور سیاہی کا ذکر قرآن مجید میں بہت سے مقامات میں آیا ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک سفیدی سے مراد نور ایمان کی سفیدی ہے، یعنی مومنین کے چہرے نور ایمان سے روشن اور خوش ہوں گے۔ سیاہی سے مراد انکار و سرکشی کی کدورت ہو گی اور اوپر سے فسق و فجور کی ظلمت اور تاریکی ہو گی۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سنت کی پیروی کرنے والوں کے چہرے نوارانی ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے تاریک اور سیاہ ہوں گے۔ (قرطبی)

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں آیت یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ کے متعلق فرمایا کہ مخلص اہل ایمان کے چہرے نوارنی ہوں گے لیکن جن لوگوں نے دین میں تغیر و تبدل کیا خواہ ارتداد کی صورت میں یا انکار و سرکشی کی صورت میں یا نفاق کی صورت میں ان کے چہرے تاریک اور سیاہ ہونگے۔

مذکورہ اقوال کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال ہیں، لیکن ان سب میں کوئی تعارض نہیں ہے، سب کا حاصل ایک ہی ہے

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (آل عمران۔107)

اور جن لوگوں کے چہرے روشن (نورانی) ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

آیت کے خاتمہ پر اللہ تعالیٰ نے ففی رحمۃ اللہ سے اپنی عظیم رحمت کا بھی اظہار فرمایا۔ اس طرح آیت کے شروع اور اس کے آخر دونوں جگہ اہل رحمت کو بیان کیا، درمیان میں اہل سواد کا۔ جس سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ بنی نوع انسان کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ان کو اپنے عذاب کا مظہر بنایا جائے بلکہ اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری رحمت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

فَفِیْ رَحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ: کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رحمت سے مراد اس جگہ جنت ہے۔ یہاں بھی بظاہر جنت کو رحمت سے تعبیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ آدمی خواہ کتنا ہی عابد اور زاہد کیوں نہ ہو، وہ جنت میں محض اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی جائے گا، کیونکہ عبادت کرنا بھی انسان کا کوئی ذاتی کمال نہیں ہے، بلکہ اس کی قدرت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے، اس لئے عبادت کرنے سے دخول جنت ضروری نہیں ہو جاتا، بلکہ جنت کا داخلہ تو اللہ کی رحمت ہی سے ہوگا۔ (بحوالہ تفسیر کبیر)

آیت میں ایک اور لطیف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ففی رحمۃ اللہ کے بعد ھم فیھا خلدون فرما کر بتا دیا کہ اہل ایمان اللہ کی جس رحمت میں ہوں گے وہ ان کے لئے عارضی نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگی ان سے یہ نعمت کبھی سلب یا کم نہ کی جائے گی، اس کے بالمقابل اہل سواد کے لئے یہ تصریح نہیں فرمائی کہ وہ اس حال میں ہمیشہ رہیں گے۔

فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون: میں اشارہ فرمادیا کہ آج کا عذاب ہماری طرف سے نہیں بلکہ تمہاری اپنی کمائی سے ہے جو دنیا میں کرتے رہے ہو، کیونکہ درحقیقت جنت و دوزخ کی نعمتیں اور مصائب درحقیقت ہمارے اعمال ہی کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں، اسی بات پر متنبہ کرنے کے لئے آخر میں یہ بھی فرمادیا: **وماللہ یرید ظلما للعلمین**۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ عذاب ثواب جو کچھ ہے عین انصاف و مقتضائے حکمت و رحمت ہے۔

اللہ کے حضور معاملات کی پیشی

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ (آل عمران-109)

زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش کئے جائیں گے۔ (آل عمران-109)

To Allah ˹alone˺ belongs whatever is in the heavens and whatever is on the earth. And to Allah ˹all˺ matters will be returned ˹for judgment˺. (3:109)

تیسرا رکوع: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔۔۔ (آل عمران-110)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

امت مسلمہ کی وجہ فضیلت، دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، خیر امت کا لقب، سب اہل کتاب یکساں نہیں، اخلاص کے بغیر کی گئی نیکی کی حقیقت، منافقانہ طرز عمل، مخالفین کی چالوں اور سازشوں سے بچنے کا طریقہ: صبر و استقامت، ثابت قدمی، تقویٰ۔

اس رکوع میں معاشرتی اصلاح اور اجتماعی فلاح کا ایک اور اصول بیان کیا گیا: امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔ پچھلے رکوع میں فرمایا گیا تھا کہ تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ کے ذریعہ اپنی اصلاح کرو۔ اس رکوع میں فرمایا جارہا ہے کہ اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کے ذریعے دوسروں کی بھی اصلاح کرو۔ اپنے اعمال و اخلاق کو درست کرنے کے ساتھ ساتھ اصلاح معاشرہ کی بھی فکر کرو۔ یہی مضمون ہے جو سورۃ العصر میں بتایا گیا۔ الا الذین امنوا و عملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر۔ یعنی آخرت کے خسارہ سے صرف وہ لوگ محفوظ ہیں جو خود بھی ایمان اور عمل صالح کے پابند ہیں اور دوسروں کو بھی عقائد اور اعمال صالحہ کی ہدایت کرتے رہتے ہیں۔

خیر امّت کا لقب

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ۔

دنیا میں وہ بہترین امت تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران۔110)

You are the best community ever raised for humanity—you encourage good, forbid evil, and believe in Allah.

اس آیت میں امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیا گیا ہے جو امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ کی صفات سے متصف ہو گی۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو خیر امت ہے بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے۔ قرآن کریم نے امت مسلمہ کو خیر امت قرار دینے کی وجوہات متعدد آیتوں میں بیان فرمائی ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے اہم آیت سورۃ البقرۃ میں گذر چکی ہے جس میں فرمایا گیا کہ وکذلک جعلنکم امۃ وسطا۔(2:143)۔ کہ ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا ہے۔ یعنی امت مسلمہ کے خیر امت ہونے کی بڑی وجہ اس کا اعتدال مزاج ہونا ہے اور اس کی فضیلت والی امت ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ امت اللہ کی مخلوق کیلئے فائدہ مند ہو گی۔ اس کے فرض منصبی میں یہ بات

شامل ہے کہ یہ پوری انسانیت کی روحانی اور اخلاقی اصلاح اور فلاح کا کام کرے گی۔ یہ خلق اللہ کو نفع پہنچانے ہی کے لئے وجود میں آئی ہے۔ اگرچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ پچھلی امتوں پر عائد تھا، جس کی تفصیل احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ سابقہ امتوں میں جس طرح دین کے دوسرے شعائر غفلت عام ہو کر محو ہو گئے تھے، اسی طرح فریضہ امر بالمعروف بھی بالکل متروک ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس امت کے فرائض منصبی میں اس کو شامل کیا گیا۔ البتہ یہ رعایت رکھی گئی کہ مقامی حالات اور حکمت کے مطابق یہ فریضہ دل، زبان اور ہاتھ کی قوت سے کیا جا سکتا ہے۔ دوسری رعایت یہ کی گئی کہ اگر کچھ لوگ معاشرے میں یہ فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے تو باقی لوگوں پر گناہ نہ ہو گا۔ جیسے پچھلے رکوع کے اندر فرمایا گیا کہ:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (آل عمران۔104)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں، اور برائیوں سے روکتے رہیں جو لوگ یہ کام کریں گے وہ فلاح پائیں گے۔(آل عمران۔104)

انفرادی دعوت و تبلیغ ہر مسلمان پر فرض عین ہے جبکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیلئے اجتماعی کوششیں کرنا فرض کفایہ ہے۔ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس فرض کو ادا کرتے رہیں کیونکہ معروف اور منکر شرعی کا صحیح علم وہی رکھتے ہیں۔

فریضۂ دعوت و تبلیغ

دعوت و تبلیغ، نماز، روزہ اور دیگر فرائض اسلام کی طرح ایک اہم فریضہ ہے۔ قرآن میں اس فریضہ کو حکمت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اس آیت میں امت مسلمہ پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ عائد کیا گیا ہے۔ سورۃ والعصر میں ارشاد فرمایا: الا الذین امنوا و عملوا الصلحت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر۔ یعنی آخرت کے خسارہ سے صرف وہ لوگ محفوظ ہیں جو خود بھی ایمان اور عمل صالح کے پابند ہیں اور دوسروں کو بھی حق بات اور اعمال صالحہ کی ہدایت کرتے رہتے ہیں۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: والذی نفسی بیدہ لتامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر او لیوشکن اللہ ان یبعث علیکم عقابا من عندہ ثم لتدعنہ فلا یستجیب لکم۔

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں کی مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمادے گا پھر تم دعائیں کروگے لیکن قبول نہ ہوں گی۔(مسند احمد)

قرآن وحدیث کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان جس طرح خود نیک عمل کرنے کو اور گناہ سے بچنے کو اپنا فرض سمجھتا ہے اس کو بھی ضروری سمجھے کہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک عمل کی ہدایت اور برے اعمال سے روکنے کی کوشش کرتا رہے۔ یعنی اپنی اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کی بھی کوشش کرتا رہے۔

معروف سے مراد وہ تمام نیکیاں اور بھلائیاں ہیں جن کا اسلام نے حکم دیا ہے۔چونکہ یہ امور خیر جانے پہچانے ہوتے ہیں اس لئے معروف کہلاتے ہیں۔اسی طرح منکر میں تمام وہ برائیاں اور مفاسد داخل ہیں جن کو قرآن وحدیث میں ناجائز قرار دینا معلوم ومعروف ہے۔اس سلسلے میں واجبات اور معاصی کے بجائے معروف ومنکر کی اصطلاح استعمال کرنے میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ روکنے ٹوکنے کا معاملہ صرف ان مسائل میں ہو گا جو امت میں مشہور ومعروف ہیں اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں۔اجتہادی مسائل جن میں اصول شرعیہ کے تحت ایک سے زیادہ مستند آراء موجود ہیں۔ان میں زیادہ روک ٹوک اور سختی کرنا مناسب نہیں۔افسوس ہے کہ عام طور پر اس حکیمانہ تعلیم سے غفلت برتی جاتی ہے اور اجتہادی مسائل کو جدال کا میدان بنا کر مسلمانوں کو آپس میں ٹکرایا جاتا ہے یا ان پر شرعی فتوے لگائے جاتے ہیں اور اس کو سب سے بڑی نیکی قرار دیا جاتا ہے۔اس کے بالمقابل متفق علیہ معاصی اور گناہوں سے روکنے کی طرف توجہ بہت کم دی جاتی ہے۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان۔یعنی تم میں سے جو شخص کوئی برائی دیکھے تو اس کو چاہے کہ اپنے ہاتھ اور قوت سے اس کو روک دے،اور اگر یہ بھی نہ کرسکے تو زبان سے روکے اور یہ بھی نہ کرسکے تو کم از کم دل میں اس فعل کو برا سمجھے،اور یہ ادنی درجہ کا ایمان ہے۔

اس حدیث کی رو سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ہر شخص کی قدرت واستطاعت کے مطابق فرض ہے یعنی جس کو جتنی قدرت ہو اتنا ہی امر بالمعروف کا فریضہ اس پر عائد ہو گا۔استطاعت وقدرت ہر کام کی جدا ہوتی ہے،امر بالمعروف کی قدرت پہلے تو اس پر موقوف ہے کہ وہ معروف ومنکر کا علم رکھتا ہو۔جس شخص کو خود ہی معروف ومنکر کی تمیز نہ ہو یا اس مسئلہ کا پورا علم نہ ہو وہ اگر دوسروں کو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ بجائے اصلاح ہونے کے فساد ہو گا۔اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی ناواقفیت کی بناء پر کسی معروف کو منع کرنے لگے،یا منکر کا حکم کرنے لگے،اس لئے جو

شخص خود معروف و منکر سے واقف نہیں اس پر یہ فریضہ تو عائد ہے کہ واقفیت اور احکام شرعیہ کے معروف و منکر کا علم حاصل کرلے، اور پھر اس کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے۔ لیکن جب تک اس کو واقفیت نہیں اس کا اس خدمت کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں جیسے بہت سارے لوگ سنی سنائی غلط باتوں کو لے کر لوگوں سے جھگڑنے لگتے ہیں کہ ایسا کرو ایسا نہ کرو، یہ طریق کار بجائے معاشرہ کی اصلاح کرنے کے اور زیادہ ہلاکت اور لڑائی جھگڑے کا سبب بن سکتا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ جو امور انسان کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ جن معاملات میں وہ شرعاً یا قانوناً مداخلت نہیں کر سکتا تو وہاں یہ فریضہ اس کے ذمہ نہیں بلکہ اب یہ فریضہ حکومت وقت یا متعلقہ اتھارٹی کا ہے کہ مجرم کے جرم کی تفتیش و تحقیق کر کے اس کو سزا دے۔ حدیث کے الفاظ فان لم یستطع میں اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو اس پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اسی طرح امر بالمعروف کی قدرت میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے آپ کو کوئی تکلیف یا نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، اسی لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ گناہ کو ہاتھ اور قوت سے نہ روک سکے تو زبان سے روکے، اور زبان سے روکنے پر قدرت نہ ہو تو دل ہی سے برا سمجھے۔ ظاہر ہے کہ زبان سے روکنے پر قدرت نہ ہونے کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ اس کی زبان حرکت نہیں کر سکتی، بلکہ مراد یہی ہے کہ اس کو یہ خطرہ ہے کہ اس نے حق بات کی تلقین کی تو اس کو نقصان پہنچے گا یا اس کے تحفظ کو خطرہ لاحق ہو جائے گا تو ایسی حالت میں اس شخص کو مکلف نہ سمجھا جائے گا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک پر اس کو گنہگار نہ کہا جائے گا۔

فریضہ دعوت و تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ایک اہم اصول یہ ہے کہ جو حکم فرض ہے اس کی دعوت دینا بھی فرض ہے مثلاً نماز فرض ہے تو اپنے دائرہ اختیار (مثلاً دوست واحباب، فیملی) میں اس کی دعوت دینا بھی فرض ہے۔ نوافل اعمال مستحب ہیں تو ان کی دعوت دینا بھی مستحب ہے۔ اس کے علاوہ ایک ضروری ادب یہ بھی پیش نظر رکھنا ہو گا کہ مستحبات میں نرمی کی جائے۔ آج کل لوگ مستحبات میں یا مباحات میں تو سختی سے روک ٹوک کرتے ہیں لیکن امور واجبہ اور فرائض کے ترک پر کوئی ملامت نہیں کرتے۔

امر بالمعروف و نہی عن لمنکر کا اطلاق غیر مسلموں پر نہیں ہوتا۔ اگر ایک آدمی مسلمان ہی نہیں تو آپ اسے نماز پڑھنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اطلاق صرف مسلمانوں پر یا اسلامی معاشرے پر ہوتا ہے۔ غیر

مسلموں تک دین اسلام کی اصولی دعوت پہنچانے کیلئے مقامی حالات کے مطابق حکمت کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا طریقہ کار اختیار کیا جاسکتا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اطلاق فروعی اور اجتہادی احکامات پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان مسائل میں میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے، اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر خود امر منکر ہے۔

سب اہل کتاب یکساں نہیں

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ۔ (آل عمران۔115-113)

مگر سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اسکے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں یہ صالح لوگ ہیں۔ اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی، اللہ پرہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔(آل عمران۔113-115)

Yet they are not all alike: there are some among the People of the Book who are upright, who recite Allah's revelations throughout the night, prostrating ˹in prayer˺. They believe in Allah and the Last Day, encourage good and forbid evil, and race with one another in doing good. They are ˹truly˺ among the righteous. They will never be denied the reward for any good they have done. And Allah has ˹perfect˺ knowledge of those mindful ˹of Him˺. (3:113-115)

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے علماء مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلام، حضرت اسد بن عبید، حضرت ثعلبہ بن شعبہ وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی کہ یہ نیک لوگ راتوں کے وقت تہجد کی نماز میں کلام اللہ کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اللہ پر، قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں، بری باتوں سے منع کرتے ہیں، مسابقت الی الخیرات کرتے ہیں۔

اخلاص کے بغیر کی گئی خیرات کی حقیقت

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭوَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ (آل عمران۔117)

اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے جس طرح ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی ہو وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو لگ جائے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا پھر اسکو برباد کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔(آل عمران۔117)

Spending without sincerity

The example of what they spend in this worldly life is like that of a wind containing frost which strikes the harvest of a people who have wronged themselves and destroys it. And Allah has not wronged them, but they wrong themselves. (3:117)

اس مثال میں کھیتی سے مراد دنیاوی زندگی ہے جس کی فصل آدمی کو آخرت میں کاٹنی ہے۔ہوا سے مراد وہ ظاہری جذبہ ہے جس کی بنا پر ریاکار رفاہ عام کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں۔اور اوس یا سخت ٹھنڈک سے مراد صحیح ایمان اور ضابطہ خداوندی کی پیروی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے ان کو پوری زندگی غلط ہو کر رہ گئی ہے۔اللہ تعالیٰ اس تمثیل سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہوا کھیتیوں کی پرورش کے لیے مفید ہے لیکن اگر اسی ہوا میں برفانی ٹھنڈک ہو تو کھیتی کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تباہ کر ڈالتی ہے،اسی طرح خیرات بھی اگرچہ انسان کے مزرعہ آخرت کو پرورش کرنے والی چیز ہے، مگر جب اس کے اندر ریاکاری کا زہر ملا ہوا ہو تو یہی خیرات مفید ہونے کے بجائے الٹی مہلک بن جاتی ہے۔

قیامت والے دن کچھ لوگوں کے نہ مال کچھ کام آئیں گے نہ اولاد، حتیٰ کے رفاہی اور بظاہر بھلائی کے کاموں پر جو بھی خرچ کرتے تھے وہ بیکار جائیں گے۔ان کی مثال اس یخ بستہ اور برفانی ہوا کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔لوگ اسی کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور اس سے نفع کی امید رکھے ہوتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔اس مثال سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جب تک اعمال میں اخلاص اور للّٰہیت نہیں ہو گی، رفاہی کاموں پر رقم خرچ کرنے والوں کی چاہے دنیا میں کتنی ہی شہرت ہو جائے آخرت میں انہیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔

منافقانہ طرز عمل

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ؗ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا۔۔۔ (آل عمران۔120)

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں۔(آل عمران۔120)

Hypocritic Behaviour

When you are touched with good, they grieve; but when you are afflicted with evil, they rejoice.... (3:120)

اس آیت میں منافقین کی شدید عداوت کا ذکر ہے جو انہیں اہل ایمان کے ساتھ تھی۔ جب مسلمانوں کو خوش حالی میسر آتی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تائید و نصرت ملتی تو منافقین کو بہت برا لگتا اور اگر مسلمان قحط سالی یا تنگدستی میں مبتلا ہوتے یا وقتی طور پر مغلوب ہوتے (جیسے جنگ احد میں ہوا) تو منافقین بڑے خوش ہوتے۔ مقصد بتلانے سے یہ ہے جن لوگوں کا یہ حال ہو، کیا وہ اس لائق ہوسکتے ہیں کہ انہیں اپنا راز دار اور دوست بنایا جائے؟

مخالفین کی چالوں سے بچنے کا طریقہ: صبر، ثابت قدمی، تقویٰ

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔ (آل عمران۔120)

اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو ان کے فریب سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا بے شک اللہ ان کے اعمال پر احاطہ کرنے والا ہے۔(آل عمران۔120)

˹Yet,˺ if you are patient and mindful ˹of Allah˺, their schemes will not harm you in the least. Surely Allah is Fully Aware of what they do. (3:120)

اس آیت میں مخالفین اور منافقین کے مکر و فریب سے بچنے کا طریقہ اور علاج بھی بتایا گیا ہے۔ ان کی ایسی چالوں اور مکر و فریب کا مقابلہ صبر، دین پر ثابت قدمی اور تقویٰ سے کیا جاسکتا ہے۔ تمہاری فتح و کامیابی اور تمام مشکلات میں آسانی کا راز صبر و استقامت اور تقوی کی دو صفتوں میں مضمر ہے۔

قرآن کریم نے مسلمانوں کو ہر قسم کے مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ رہنے کے لئے صبر و تقوی کو صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ دوسری آیات میں بھی ایک موثر علاج کی حیثیت سے بیان فرمایا۔اسی سورۃ کے اختتام پر صبر کی تلقین ان الفاظ میں کی جارہی ہے: یایھا الذین امنوا اصبروا و صابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔(200:3) اس آیت میں بھی میں بھی فلاح وکامیابی کو صبر و تقوی پر معلق کیا گیا ہے۔سورۃ یوسف میں فرمایا:انہ من یتق ویصبر۔ (90:12)۔اس آیت میں بھی فلاح وکامیابی صبر و تقوی کے ساتھ وابستہ بتلائی گئی ہے۔

صبر و تقوی مختصر عنوان کے اندر انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کا ایک کامیاب ضابطہ بیان کر دیا گیا۔

حدیث: حضرت ابوذر سے روایت ہے حضور ﷺ ارشاد گرامی ہے: انی لاعلم ایۃ لواخذ الناس بھا لکفتھم ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔۔۔الایۃ۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل اختیار کرلیں تو ان کے دین و دنیا کے لئے وہی کافی ہے وہ آیت یہ ہے: ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔۔۔(2:65) یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (ہر مشکل سے نکلنے کا) راستہ بنادیتے ہیں۔(مسند احمد)

چوتھا رکوع: وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔(آل عمران۔121)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

غزوہ احد پر جامع تبصرہ، خامیوں کی نشاندہی، احد کے پس منظر میں ہدایات، اللہ پر توکل اہل ایمان کا شیوہ، غزوہ بدر میں نصرت الٰہی، اصل مدد گار ہستی صرف اللہ رب العالمین، ہدایت دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

غزوہ احد کے پس منظر میں ہدایات

غزوہ احد پر تفصیلی تبصرہ۔خامیوں کی نشاندہی

یہاں سے اس سورت کا چوتھا خطبہ شروع ہوتا ہے۔سورۃ آل عمران کا یہ حصہ جنگ احد کے بعد نازل ہوا جس میں جنگ احد پر تبصرہ کیا گیا ہے۔پچھلے رکوع کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ ان کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کامیاب نہیں ہوسکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو۔(آل عمران۔120) اب چونکہ احد کے میدان میں مسلمانوں کی شکست کا سبب

ہی یہ ہوا کہ ان کے اندر صبر کی بھی کمی تھی اور ان کے افراد سے بعض ایسی غلطیاں بھی سرزد ہوئی تھیں جو اللہ، رسولؐ کی اطاعت کے خلاف تھیں، اس لیے یہ خطبہ جس میں انہیں ان کمزوریوں پر متنبہ کیا گیا ہے نازل ہوا۔

اس خطبے کا انداز بیان یہ ہے کہ جنگ احد کے سلسلہ میں جتنے اہم واقعات پیش آئے تھے ان میں سے ایک ایک کو لے کر اس پر چند جچے تلے فقروں میں نہایت سبق آموز تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس کے واقعاتی پس منظر کو نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

غزوہ احد کا خلاصہ

Short Summary of *Uhad* Encounter

سورۃ آل عمران آیت: 21 سے جنگ احد پر تبصرہ کیا گیا جو شوال 3 ہجری کو پیش آئی۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ جب جنگ بدر 2 ہجری میں قریش مکّہ کو شکست ہوئی اور شدید نقصان ہوا تو ان کے لئے یہ بدنامی کا باعث اور مرنے کا مقام تھا، چنانچہ انہوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ایک زبردست انتقامی جنگ کی تیاری کی جس میں عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ ادھر حضورؐ اور صحابہ کرام کو جب اس کا علم ہوا کہ دشمن تین ہزار کی تعداد میں احد پہاڑ کے نزدیک خیمہ زن ہو گئے ہیں تو نبی کریمؐ نے مدینہ کے اندر رہ کر ہی دفاعی جنگ کا مشورہ دیا اور رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا۔ لیکن اس کے برعکس بعض پرجوش صحابہ کرام نے جنہیں جنگ بدر میں حصہ لینے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی، مدینہ کے باہر جا کر لڑنے کی حمایت کی۔ آپؐ اندر حجرے میں تشریف فرما تھے زرہ پہن کر باہر آئے، دوسری رائے والوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہؐ کو آپ کی خواہش کے برعکس باہر نکلنے پر مجبور کر کے ٹھیک نہیں کیا چنانچہ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! آپ اگر اندر رہ کر مقابلہ کرنا پسند فرمائیں تو اندر ہی رہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ لباس حرب پہن لینے کے بعد کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ اللہ کے فیصلے کے بغیر واپس ہو اور لباس اتارے۔ مگر اس موقع پر عبد اللہ بن ابی کی غداری کھل کر سامنے آ گئی جب وہ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت یہ کہہ کر واپس آ گیا کہ اس کی رائے نہیں مانی گئی۔ حضورؐ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور صرف سات سو صحابہ کرام کو لے کر میدان میں اترے۔ اس موقع پر آپؐ نے پچاس تیر انداز صحابیوں کو الگ کر کے ان کا امیر حضرت عبد اللہ بن جبیر کو بنایا اور ان سے فرمادیا کہ پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو دیکھو ہم غالب آجائیں یا (اللہ نہ کرے) مغلوب ہو جائیں تم ہرگز اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ ابتداء میں ہی دشمن کو شکست ہونے لگی۔ لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح کی حد تک پہنچانے کے بجائے کچھ لوگ مال غنیمت کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور مال اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ ادھر جن تیر اندازوں کو نبی اکرمؐ نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا، انہوں نے جو

دیکھا کہ فتح مل گئی ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت اکھٹی کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ بن جبیر نے ان کو نبی کریمؐ کا تاکیدی حکم یاد دلا کر ان کو روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے اور سوائے چند آدمیوں کے کوئی نہ ٹھیرا۔ اس موقع سے خالد بن ولید نے جو اس وقت مخالف لشکر کی قیادت کر رہے تھے، بر وقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر پہلو کے درہ سے حملہ کر دیا۔ عبد اللہ بن جبیر نے جن کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے تھے، اس حملہ کو روکنا چاہا مگر مدافعت نہ کر سکے اور یہ سیلاب یکایک اہل اسلام پر ٹوٹ پڑا۔ دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے وہ بھی پلٹ کر حملہ آور ہو گئے۔ اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا۔ مسلمانوں کی اکثریت واپس مدینہ چلی گئی۔ اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑادی گئی کہ نبی اکرمؐ شہید ہو گئے۔ اس خبر نے صحابہ کے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم کر دیے اور باقی ماندہ لوگ بھی ہمت ہار کر بیٹھ گئے۔ اس وقت نبی اکرمؐ کے گرد و پیش صرف دس بارہ جاں نثار رہ گئے تھے اور آپؐ خود زخمی ہو چکے تھے۔ شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہ رہی تھی۔ لیکن عین وقت پر صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ حضورؐ زندہ ہیں، چناچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آپؐ کے گرد جمع ہو گئے اور آپؐ کو بسلامت پہاڑی کی طرف لے گئے۔ اس موقع پر یہ ایک معما ہے جو حل نہیں ہو سکا کہ وہ کیا چیز تھی جس نے قریش مکہ کو خود بخود واپس پھیر دیا۔ مسلمان اس قدر منتشر ہو چکے تھے کہ ان کا پھر مجتمع ہو کر باقاعدہ جنگ کرنا ناممکن تھا۔ اگر دشمن اپنی فتح کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو ان کی کامیابی بعید نہ تھی۔ مگر نہ معلوم کس طرح وہ خود بخود میدان چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

اللہ پر توکل اہل ایمان کا شیوہ

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (آل عمران۔122)

یاد کرو جب تم میں سے دو گروہ پستی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے، حالانکہ اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے۔ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ (آل عمران۔122)

˹Remember˺ when two sections among you were about to lose courage but Allah was their protector. So, in Allah let the faithful put their trust. (3:122)

ان دو گروہوں سے مراد قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنی سلمہ ہیں، ان دونوں نے عین جنگ سے پہلے اپنے اندر پستی اور کم ہمتی محسوس کی جس کی وجہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی عین وقت پر دغابازی اور بزدلانہ واپسی تھی۔

یہ خیال یا وسوسہ جو ان دو گروہوں یعنی بنی حارثہ اور بنی سلمہ میں پیدا ہوا وہ اپنی قلت تعداد، قلت سامان اور مادی کمزوری کی بناء پر تھا نہ کہ ضعف ایمان کی بناء پر۔ لیکن اللہ کے فضل نے دستگیری کی اور اس وسوسہ کو وسوسہ کے درجہ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔

مشہور مورخ ابن ہشام نے فرمایا: واللہ ولیھما کا جملہ خود ان کے ایمان کامل کی شہادت دے رہا ہے اس لئے ان دونوں قبیلوں کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ: اگرچہ اس آیت میں ہم پر کچھ عتاب بھی ہے لیکن واللہ ولیھما کی بشارت بھی ہمارے لئے آئی ہے۔

اس آیت کے آخر میں فرمایا: وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ مسلمانوں کو اللہ پر اعتماد رکھنا چاہئے۔ اللہ رب العالمین نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ کثرت عدد اور ساز و سامان پر مسلمانوں کو اعتماد نہیں کرنا چاہئے، بلکہ بقدر استطاعت مادی سامان جمع کرنے کے بعد بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ہونا چاہئے۔ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کو کمزوری اور کم ہمتی کا جو وسوسہ پیدا ہوا تھا وہ اسی مادی ضعف کی بناء پر تھا اس لئے ان کے وسوسہ کا علاج توکل علی اللہ سے بتلایا گیا کہ توکل و اعتماد ان وساوس کے لئے نسخۂ اکسیر ہے۔

توکل سے کیا مراد ہے؟

توکل ایک بندہ مومن کی اعلیٰ صفات میں سے ہے۔ توکل کے معنی یہ نہیں کہ تمام اسباب ظاہری سے بالکل قطع تعلق کر کے اللہ پر اعتماد کیا جائے، بلکہ توکل یہ ہے کہ تمام اسباب ظاہری کو اپنی قدرت کے مطابق جمع کرے اور اختیار کرے، اور پھر نتائج اللہ کے سپرد کرے، اور ان ظاہری اسباب پر فخر و ناز نہ کرے، بلکہ اعتماد صرف اللہ پر رہے۔ نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ نے ہمیشہ اسباب کو اختیار کیا۔ صحابہ کرام کو منظم کرنا، اپنی قدرت کے مطابق سامان اور دیگر ضروریات کا خیال رکھنا یہ سب مادی انتظامات ہی تو تھے جن کو سید الانبیاءؑ نے اپنے دست مبارک سے استعمال فرما کر بتلا دیا کہ مادی اسباب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، ان سے قطع نظر کرنے کا نام توکل نہیں۔ مومن اور غیر مومن میں فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مومن سب سامان اور مادی طاقتیں حسب قدرت جمع کرنے کے بعد بھی بھروسہ و توکل صرف اللہ پر کرتا ہے، غیر مومن کو یہ روحانیت نصیب نہیں ہوتی، اس کو صرف اپنی مادی طاقت پر بھروسہ ہوتا ہے۔ جب بھی اہل ایمان نے اللہ کی ذات پر کامل توکل کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیابی و نصرت سے سرفراز کیا۔

غزوہ بدر میں نصرت الٰہی

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (آل عمران۔123)

اور اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی ہے جب کہ تم کمزور تھے لہذا اللہ سے ڈرو شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔(آل عمران۔123)

Help of Allah at the Battle of Badr

Indeed, Allah made you victorious at Badr when you were outnumbered. So be mindful of Allah, perhaps you will be grateful. (3:123)

غزوہ بدر اور تائید الٰہی

عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں بدر کے علاوہ فرشتے کبھی کسی جنگ میں شامل نہیں ہوئے۔یہ فرشتوں کا اترنا صرف مدد کیلئے اور تعداد بڑھانے کیلئے تھا نہ کہ لڑائی کیلئے،یہ بھی مروی ہے کہ یہ فرشتوں کا نازل کرنا اور تمہیں اس کی خبر دینا صرف تمہاری خوشی، دلجوئی اور اطمینان کیلئے ہے اور اس کا مقصد مسلمانوں کے حوصلے بلند کرنا تھا۔اللہ کو تو تمہاری آزمائش مقصود ہے ورنہ اللہ کو قدرت ہے کہ فرشتوں کو اتارے بغیر اور جنگ کے بغیر بھی تمہیں غالب کر دے۔اصل مددگار ہستی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ اپنی مدد کے لیے فرشتوں کا یا کسی اور کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ اگلی آیت کے اندر وضاحت فرمائی گئی:

اصل مددگار ہستی: صرف اللہ ربّ العالمین

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ۔ (آل عمران۔126)

اور اس چیز کو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کے لیے کیا ہے اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو اور مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والا ہے۔(آل عمران۔126)

Allah ordained this ˹Descension of angles˺ only as good news for you and reassurance for your hearts. And help comes only from Allah—the Almighty, All-Wise—(3:126)

ہدایت دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ (آل عمران۔128)

آپ کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں چاہے تو اللہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں۔(آل عمران-128)

(O Messenger!) It is not for you to decide whether He will accept their repentance or chastise them, as surely, they are unjust. (3:128)

When the Prophet was injured at the Battle of Uḥud, some of his companions suggested that he should pray against the pagans of Mecca. He responded, "I have not come to condemn people, but as a mercy to pray for their guidance." The verse here says that it is not up to the Prophet whether they believe or disbelieve. A prophet's only duty is to convey the message. Eventually, almost all Meccans accepted Islam before the death of the Prophet.

نبی اکرم ﷺ جب جنگ احد میں زخمی ہوئے تو آپؐ کے منہ سے دشمنان اسلام کیلئے بددعا نکل گئی اور آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کو زخمی کرے۔ یہ آیت اسی کے جواب میں نازل ہوئی جس میں رسول اللہؐ کو صبر و تحمل کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو ہدایت دینا یا ان کے معاملے میں کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

آپؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی اپنی ذات کے لیے کسی کو نہ بددعا دیتے تھے، اور نہ اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام لیتے تھے۔ البتہ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپؐ نے بعض دشمنان اسلام کے لئے قنوت نازلہ کا اہتمام فرمایا جس میں ان کے لئے بددعا فرمائی جس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ آپؐ نے بددعا کا سلسلہ بند فرمادیا۔(بحوالہ ابن کثیر، فتح القدیر)

اللہ تعالٰی کی شان دیکھئے کہ وہی لوگ جو اسلام دشمنی کی ساری حدیں پار کر چکے تھے بعد میں اللہ کی توفیق سے سب مسلمان ہو گئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مختار کل اور عالم الغیب ہستی صرف اللہ تعالٰی ہی ہے۔

پانچواں رکوع: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔۔۔ (آل عمران-129)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

مالک کائنات ہستی: اللہ ربّ العالمین، استغفار اور لا الٰہ الا اللہ، اللہ کی رحمت کے حقدار لوگ، اللہ ورسولؐ کی اطاعت کرنے والوں کی صفات، مسابقت الی الخیرات، چند اخلاقی صفات کا تذکرہ، ہر حالت یعنی تنگی اور فراخی میں یاد خدا، غلطیوں کے بعد سچی توبہ کرو، مذکورہ صفات کے حامل لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ، قرآن کے چند نام: بیان للنّاس، ہدایت، موعظہ۔ زمین کی سیر کرو: سبق اور عبرت کیلئے، کامیابی کا راز: سچا ایمان۔ انسانی زندگی میں نشیب و فراز آتا رہتا ہے: تلک الایام نداولھا بین النّاس۔

استغفار اور لا الٰہ الاّ اللّٰہ

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمَاوَاتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔(آل عمران۔129)

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے، جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب کرے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(آل عمران۔129)

To Allah ˹alone˺ belongs whatever is in the heavens and whatever is on the earth. He forgives whoever He wills and punishes whoever He wills. And Allah is All-Forgiving, Most Merciful. (3:129)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا الٰہ الاّ اللہ کثرت سے پڑھا کرو اور استغفار پر مداومت کرو ابلیس گناہوں سے لوگوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس کی اپنی ہلاکت لا الہ الا اللہ اور استغفار سے ہے۔(مسند ابو یعلیٰ)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے منبر پر فرمایا: لوگو تم اوروں پر رحم کرو اللہ تم پر رحم کرے گا۔ لوگو تم دوسروں کی خطائیں معاف کرو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخشے گا۔(مسند احمد)

اللہ کی رحمت کے حقدار لوگ

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (آل عمران۔132)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔(آل عمران۔132)

Who deserves Allah's mercy

Obey Allah and the Messenger, so you may be shown mercy. (3:132)

اس آیت میں دو اہم نکات بیان کئے گئے:

1۔اس آیت میں ایک اہم نکتہ بیان بیان کیا گیا جو ہمیشہ یاد رکھنے اور اپنی عملی زندگی کا قبلہ بنانے کے قابل ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت محض زبانی جمع خرچ سے نہیں ہوتی بلکہ اطاعت گزاروں کی کچھ صفات اور ہوتی ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔

2۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ اگر رسول کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب قرآن کی اطاعت کا نام ہے تو پھر اس کے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے تو کیا ہے؟

رسول کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ سے الگ کرکے بیان کرنے کی حکمت

فرمایا گیا کہ:واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون۔یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت میں رحمت خداوندی کے لئے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ضروری اور لازم قرار دیا ہے،رسول اللہؐ کی اطاعت کو بھی اسی طرح لازم اور ضروری قرار دیا ہے،اور یہ پھر صرف اسی آیت میں نہیں پورے قرآن میں بار بار اس کا تکرار اسی طرح ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہوتا ہے وہیں اطاعت رسول کا بھی ذکر مستقلاً ہے۔

قرآن حکیم کے یہ متواتر ارشادات ایک انسان کو اسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کررہے ہیں کہ:

1۔ایمان کا پہلا جزء خدائے تعالیٰ کے وجود،اس کی وحدانیت اور اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے

2۔ایمان کا دوسرا جزء رسول اللہ کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے۔

اب یہاں غور طلب یہ ہے کہ قرآن کریم ہی کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب باذن خداوندی ہوتا ہے،اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا۔قرآن کریم کا ارشاد ہے:وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی۔(3:53-4)یعنی رسول کریم ﷺ جو کچھ بولتے ہیں وہ کسی اپنی خواہش سے نہیں کہتے،بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہؐ کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔

سورۃ نساء آیت 80 میں خود قرآن نے بھی ان الفاظ میں اس کو واضح فرمادیا: من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ یعنی جس نے رسول کی اطاعت کی،اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان دونوں اطاعتوں کو الگ الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک کتاب بھیجی، اور اس کتاب کی تعلیم اور تفسیر کیلئے ایک رسول کو بھیجا کہ وہ اس کتاب کے مضامین کی امت کو تعلیم دیں، اس کے مقاصد کو بیان فرمائیں، نیز یہ کہ وہ کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دیں۔ یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔ (2:62)

معلوم ہوا کہ رسول اللہ کے فرائض منصبی میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں تک پہنچا دیں، بلکہ اس کی تعلیم اور تبیین بھی رسول کے ذمہ ہے۔ اس کی تشریح اور تفصیل رسول کریم ﷺ نے اس وحی کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں آئی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک میں ڈالی جس کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔ کی طرف آیت قرآن وما ینطق عن الھوٰی۔ان ھو الا وحی یوحی میں اشارہ کیا گیا ہے، مثلاً قرآن نے بیشمار مواقع میں صرف اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ فرمانے پر اکتفا کیا ہے، کہیں نماز کے معاملہ میں قیام، رکوع اور سجدہ کا ذکر بھی آیا تو وہ بھی بالکل مبہم ہے ان کی کیفیات کا ذکر نہیں، رسول کریم ﷺ کو جبریل امین نے خود آکر اللہ کے حکم سے ان تمام اعمال اور ارکان کی تفصیل صورت عمل کر کے بتلائی اور پھر آپؐ نے فرمایا: صلّو کما رایتمونی۔ نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتا ہوا دیکھتے ہو۔ اسی طرح قرآن حج کی فرضیت کا حکم دیتا ہے اس کے احکام اور مناسک کی تفصیل نہیں بتاتا۔ یہ حضورؐ ہیں جنہوں نے فرمایا: حذو عنی مناسککم۔ مجھ سے حج کے احکامات سیکھو۔ قرآن میں صرف زکوٰۃ ادا کرنے حکم ہے۔ اس کی تفصیل موجود نہیں۔ زکوٰۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین، پھر یہ بات کہ کس مال پر زکوٰۃ ہے اور کس مال پر نہیں، اور مقادیر نصاب میں کتنا حصہ معاف ہے، یہ سب تفصیلات رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائیں۔

یہ تمام تفصیلات جو حضورؐ نے امت کو پہنچائیں، یہ تفصیلات قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ اس لئے یہ احتمال تھا کہ کسی وقت کسی ناواقف کو یہ دھوکا ہو کہ یہ تفصیلی احکام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی تعمیل ضروری نہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے سارے قرآن میں بار بار اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت کو لازم قرار دیا ہے، جو حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے مگر ظاہری صورت اور تفصیل بیان کے اعتبار سے اس سے کچھ مختلف بھی ہے۔ اس لئے بار بار تاکیدات کے ساتھ بتلا دیا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں جو کچھ حکم دیں اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت سمجھ کر مانو، خواہ وہ قرآن میں صراحۃً موجود ہو یا نہ ہو۔ یہ مسئلہ چونکہ اہم تھا اور کسی ناواقف کو دھوکہ لگ جانے کے علاوہ دشمنان اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گڑبڑ پھیلانے اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستہ سے بہکانے کا بھی ایک موقع تھا، اس لئے

قرآن کریم نے اس مضمون کو صرف لفظ اطاعت رسول کے ساتھ ہی نہیں بلکہ مختلف عنوانات سے امت مسلمہ کو بتایا ہے، مثلا آپ کے فرائض میں تلاوت و تفسیر کتاب کے ساتھ کچھ اور بھی آپ کی تعلیمات میں داخل ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہے، جس کو لفظ حکمت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ جس کا مطلب مفسرین نے سنت وحدیث لیا ہے۔

یہ سب انتظام اس کا کیا گیا کہ کل کو کوئی شخص یہ نہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف ان احکام کے مکلف ہیں جو قرآن میں آئے ہیں، جو احکام ہمیں قرآن میں نہ ملیں ان کے ہم مکلف نہیں۔ رسول کریم ﷺ کو بھی یہ حدشہ تھا کہ کسی زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو رسول کی تعلیمات اور تشریحات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے یہی دعوی کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے، اس لئے ایک حدیث میں صراحۃ آپؐ نے اس کا ذکر فرمایا: لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔

یعنی ایسا نہ ہو کہ تم سے کوئی اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق یہ کہہ دے کہ ہم اس کو نہیں جانتے ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے، جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، ابو داؤد)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ جگہ جگہ رسول کی اطاعت کا بار بار ارشاد اور پھر مختلف عنوانات سے رسول کے دیے ہوئے احکام کو ماننے کی ہدایات یہ سب اس خطرہ کے پیش نظر ہیں کہ کوئی شخص ذخیرہ احادیث میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کی ہوئی تفصیلات احکام کو قرآن سے الگ اور اطاعت اللہ تعالیٰ سے جدا سمجھ کر انکار نہ کر بیٹھے، کہ وہ در حقیقت الگ نہیں:

بقول شاعر:

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

انہیں کی کہ رہا ہوں، زباں میری ہے بات ان کی۔

اگلی آیات میں اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرنے والوں کی صفات کا ذکر کیا جا رہا ہے:

مسابقت الی الخیرات

وَسَارِعُوٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (آل عمران۔133)

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنّت کی طرف سبقت کرو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے اور جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ آل عمران۔133

Make competition in good deeds

And hasten towards forgiveness from your Lord and a Paradise as vast as the heavens and the earth, prepared for those mindful ⌜of Allah⌝. (3:133)

اس آیت میں مغفرت اور جنت کی طرف مسابقت اور مسارعت کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں مغفرت سے مراد اسباب مغفرت ہیں، یعنی وہ اعمال صالحہ جو باعث مغفرت الٰہی ہیں۔ صحابہ و تابعین سے اس کی تفسیریں مختلف عنوانات سے منقول ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تفسیر ادائیگی فرض سے فرمائی۔ حضرت ابن عباس نے اسلام سے۔ ابو العالیہ نے ہجرت سے، انس بن مالک نے تکبیر اولیٰ سے، سعید بن جبیر نے اداء اطاعت سے، ضحاک نے جہاد سے، عکرمہ نے توبہ سے کی ہے، ان تمام اقوال کا حاصل یہی ہے کہ مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ ہیں جو مغفرت الٰہی کا باعث اور سبب ہوتے ہیں۔

مسابقت الی الخیرات کا مطلب یہ ہے کہ مال و دولت دنیا کے پیچھے لگ کر آخرت تباہ کرنے کے بجائے، اللہ اور رسول کی اطاعت اور اللہ کی مغفرت اور اس کی جنت کا راستہ اختیار کرو۔ جو متقین کے لئے اللہ نے تیار کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مغفرت کو جنت سے مقدم کیا۔ اس میں ممکن ہے کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ جنت حاصل کر لینا مغفرت الٰہی کے بغیر ناممکن ہے، کیونکہ انسان اگر تمام عمر بھر نیکیاں کرتا رہے اور معصیت سے کنارہ کش رہے تب بھی اس کے تمام اعمال جنت کی قیمت نہیں ہو سکتے۔ جنت میں لے جانے والی صرف ایک چیز ہے اور وہ مغفرت باری تعالیٰ ہے اور اس کا فضل ہے۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سددوا و قاربوا و ابشروا فانه لن يدخل احدا لجنة عمله قالوا ولا انت يا رسول الله قال ولا انا ان يتغمدنى الله برحمته۔

راستی اور حق کو اختیار کرو، درمیانی راہ اختیار کرو اور (اللہ کے فضل) کی بشارت حاصل کرو کسی شخص کا عمل اس کو جنت میں نہیں پہنچائے گا، لوگوں نے کہا کیا آپ کا عمل بھی یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: ہاں میرا عمل بھی جنت میں نہیں پہنچائے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ (بخاری، مسلم)

حاصل حدیث یہ ہے کہ ہمارے اعمال جنت کی قیمت نہیں ہیں، لیکن اللہ کی عادت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اسی بندے کو نوازتا ہے جو اعمال صالحہ کرتا ہے، بلکہ جس کو اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی، وہی علامت ہے کہ اللہ اس سے راضی ہیں، لہٰذا اعمال کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرنا چاہئے، معلوم ہوا کہ دخول جنت کا اصلی باعث اور سبب مغفرت الٰہی ہے، اسی لئے مغفرت کی اہمیت کے پیش نظر مطلق مغفرت نہیں فرمایا گیا، بلکہ مغفرۃ من ربکم فرمایا گیا جس سے صفت ربوبیت کے بیان کرنے میں مزید لطف اور امتنان کا اظہار مقصود ہے۔

اگلی آیات میں متقین کی چند خصوصیات بیان فرمائی جا رہی ہیں:

چند اخلاقی صفات کا تذکرہ

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (آل عمران۔134)

جو خوشی اور تکلیف میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ آل عمران۔134

Few good qualities

˹They are˺ those who donate in prosperity and adversity, control their anger, and pardon others. And Allah loves the good doers. (3:134)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین متقین کی خاص صفات کا ذکر فرمایا ہے۔

ان آیات میں ان صفات کا بیان ہے جن کا تعلق انسانی حقوق اور معاشرت سے ہے۔ بعد کی آیات میں وہ صفات ہیں جن کا تعلق حق تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے ہے، جن کو دوسرے لفظوں میں حقوق العباد اور حقوق اللہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

متذکرہ بالا آیات میں حقوق انسانی سے متعلقہ صفات کو پہلے اور حقوق اللہ سے متعلقہ صفات کو بعد میں فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ حقوق العباد کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔اس کے علاوہ نظام عالم کی درستی اور انسانی معاشرے کی اصلاح کا سب سے بڑا دارومدار باہمی حقوق کی ادائیگی پر ہے،اس میں ذراسی کوتاہی فتنہ وفساد کی راہیں کھول دیتی ہے۔اگر انسان اپنے اخلاق اور رویے کو درست کرلے تو دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں،صدیوں کی لڑائیاں صلح وآشتی میں تبدیل ہوجاتی ہیں،اس لئے بھی ان صفات وعلامات کو مقدم کیا گیا جن کا تعلق انسانی معاشرت سے ہے۔

ان صفات میں سب سے پہلی صفت یہ بتلائی گئی ہے:الذین ینفقون فی السراء والضراء۔ یعنی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے ایسے عادی اور خوگر ہیں کہ ان پر فراخی ہو یا تنگی ہر حال میں مقدور بھر خرچ کرتے رہتے ہیں۔اس میں ایک طرف تو یہ ہدایت ہے کہ غریب فقیر آدمی بھی اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بالکل فارغ نہ سمجھیں،اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کی سعادت سے محروم نہ ہوں،کیونکہ اللہ کے نزدیک ایک ہزار پاؤنڈ میں سے دس پاؤنڈ خرچ کرنے کا جو درجہ ہے وہی دس پاؤنڈ میں سے دس پنس خرچ کرنے کا بھی ہے۔دوسری طرف یہ ہدایت بھی ہے کہ تنگی کی حالت میں بھی بقدر حیثیت خرچ کرتے رہنے سے خرچ کرنے کی مبارک خصلت وعادت فنا نہیں ہوگی،اور شاید اللہ تعالیٰ اسی کی برکت سے مالی آسودگی اور فراخی بھی عطا فرمادیں۔

تیسری اہم چیز اس میں یہ ہے کہ جو شخص اس کا خوگر ہو کہ دوسرے انسانوں پر اپنا مال خرچ کر کے ان کو فائدہ پہنچا سکے، غریبوں،فقیروں کی امداد کرے،ظاہر ہے کہ وہ کبھی دوسروں کے حقوق غصب کرنے اور ان کی مرضی کے خلاف ہضم کرنے کے پاس بھی نہ جائے گا،اس لئے اس پہلی صفت کا حاصل یہ ہوا کہ مومنین متقین اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے دوسرے انسانوں کو نفع پہنچانے کی فکر میں رہا کرتے ہیں،خواہ ان پر فراخی ہو یا تنگی۔حضرت عائشہؓ نے ایک وقت صرف ایک انگور کا دانہ خیرات میں دیا،کیونکہ اس وقت ان کے پاس اس کے سوا کچھ نہ تھا،بعض سلف سے منقول ہے کہ کسی وقت انہوں نے صرف ایک پیاز کا صدقہ کیا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اتقوا النار ولو بشق تمرۃ و ردوا السائل ولو بظلف شاۃ۔یعنی تم جہنم کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ اگرچہ ایک کھجور کا ٹکڑا صدقہ میں دے کر ہی ہو،اور سائل کو خالی واپس نہ کرو اور کچھ نہ ہو تو بکری کے پاؤں کی کھری ہی دیدو۔

تفسیر کبیر میں امام رازی نے یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو صدقہ دینے کی ترغیب دی تو جن کے پاس سونا چاندی تھا انہوں نے وہ صدقہ میں دیدیا، ایک شخص کھجور کے چھلکے لایا، کہ میرے پاس اور کچھ نہیں، وہ ہی صدقہ کر دیئے گئے۔ ایک اور شخص آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس کوئی چیز صدقہ کرنے کے لئے نہیں ہے، البتہ میں اپنی قوم میں عزت دار سمجھا جاتا ہوں میں اپنی عزت کی خیرات کرتا ہوں کہ آئندہ کوئی آدمی مجھے کتنا ہی برا بھلا کہے میں اس سے ناراض نہیں ہونگا۔

رسول کریم ﷺ کی تعلیمات اور صحابہ کرام کے تعامل سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ انفاق فی سبیل اللہ صرف مالداروں اور اغنیاء ہی کا حصہ نہیں ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ضروری نہیں کہ مال ہی خرچ کیا جائے۔ غریب، فقیر بھی اس صفت کے حامل ہوسکتے ہیں کہ اپنی اپنی مقدرت کے موافق اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرکے اس عظیم صفت کو حاصل کرلیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے اس جگہ ینفقون کا تو ذکر فرمایا کہ وہ لوگ تنگی اور فراخی ہر حال میں فی سبیل اللہ خرچ کرتے ہیں، یہ متعین نہیں فرمایا کہ کیا خرچ کرتے ہیں، اس کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ ہر خرچ کرنے کی چیز داخل ہے، مثلاً جو شخص اپنا وقت، اپنی محنت اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ بھی اس انفاق کی صفت سے موصوف کیا جائے گا، جو حدیث بحوالہ تفسیر کبیر اوپر گزری ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

تنگی اور فراخی کے ذکر میں ایک اور حکمت

تنگی اور فراخی یہی وہ حالتیں ہیں جن میں عادۃ انسان خدا کو بھولتا ہے جب مال و دولت کی فراوانی ہو تو عیش میں خدا کو بھول جاتا ہے اور جب تنگی اور مصیبت ہو تو بسا اوقات اسی کی فکر میں راہ کر خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو نہ عیش میں خدا کو بھولتے ہیں نہ مصیبت و تکلیف میں۔

بقول شاعر بہادر شاہ ظفر:

ے ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا خواہ ہو کتنا ہی ہو صاحب فہم و ذکاء
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہے، طیش میں خوف خدا نہ رہے

حدیث: رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: من سره ان يشرف له البنيان وترفع له الدرجت فليعف عن من ظلمه ويعط من حرمه ويصل من قطعه۔ جو شخص یہ چاہے کہ اس کے محلات جنت میں اونچے ہوں اور اس کے درجات بلند ہوں اس کو چاہئے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو اس سے عفو و درگذر سے کام لے۔ اس کو عطا کرے جو اسے محروم رکھے اور جو اس سے ترک تعلق کرے اس سے قطع تعلق نہ کرے۔

قرآن کریم نے دوسری جگہ احسان کرنے کا خلق عظیم سکھلایا اور یہ بتلایا ہے کہ اس کے ذریعہ دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینک و بینه عداوة کانه ولی حمیم۔ (34:41) یعنی برائی کی مدافعت بھلائی اور احسان کے ساتھ کرو، تو جس کے ساتھ دشمنی ہے وہ تمہارا گہرا دوست بن جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی اخلاقی تربیت بھی اسی اعلیٰ پیمانہ پر فرمائی ہے کہ آپ نے اپنی امت کو بھی یہ ہدایت دی کہ: صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن الی من اساء الیک۔ یعنی جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے آپ ان سے میل جول باقی رکھیں اور جو آپ پر کے ساتھ ظلم و زیادتی کرے آپ اس کو معاف کر دیں، اور جو آپ کے ساتھ برائی کرے آپ اس کے ساتھ احسان اور بھلائی کریں۔

امام ابو حنیفہؒ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے بھرے بازار میں امام کی شان میں گستاخی کی اور گالیاں دیں۔ حضرت امام اعظمؒ نے غصہ کو ضبط فرمایا، اور اس کو کچھ نہیں کہا، اور گھر پر واپس آنے کے بعد ایک تھیلی میں درہم و دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے، دروازے پر دستک دی، یہ شخص باہر آیا تو اشرفیوں کی یہ تھیلی اسے دیتے ہوئے فرمایا کہ آج تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا، اپنی نیکیاں مجھے دیدیں، میں اس احسان کا بدلہ کرنے کے لئے یہ تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ امام کے اس معاملہ کا اس کے قلب پر اثر ہونا ہی تھا، آئندہ کو اس بری خصلت سے ہمیشہ کے لئے تائب ہو گیا۔ امام ابو حنیفہؒ سے معافی مانگی اور آپ کی خدمت اور صحبت میں علم حاصل کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت اختیار کر لی۔

البتہ حسن اخلاق میں اعتدال کی روش اپنانی چاہئے۔ حسن اخلاق کا رویہ سب کو راس نہیں آتا۔ کچھ لوگ اسے کمزوری پر محمول کر کے استحصال شروع کر دیتے ہیں۔ کسی دانشور نے ایسی صورتحال پر بڑی ادیبانہ نصیحت کی:

؎ لانک تسامحهم دائماً لا يشعروا باخطاءهم!
ولانک تبادر دائماً ينسوا
ولانک مهتم كثيراً يهملوا
احياناً صفاتک الجميلة هی سبب مشاكلک!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کریم کے بتلائے ہوئے اعلیٰ اخلاق نصیب فرمادے۔ آمین

یہاں تک ان اوصاف کا بیان تھا جو انسانی حقوق سے متعلق ہیں، اس کے بعد حقوق اللہ سے متعلق صفات کا بیان اس طرح فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے، اور کبھی بتقاضہ بشریت ان سے گناہ ہو جاتا ہے تو فورا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر استغفار کرتے ہیں اور آئندہ اس گناہوں سے باز آنے کا پختہ ارادہ کر لیتے ہیں۔

گناہوں کے بعد سچی توبہ کرو

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ڞ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ (آل عمران۔135)

اور وہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ کر بیٹھیں یا اپنے حق میں ظلم کریں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے بخشش مانگتے ہیں، اور سوائے اللہ کے اور کون گناہ بخشنے والا ہے، اور اپنے کیے پر وہ اڑتے نہیں اور وہ جانتے ہیں۔ آل عمران۔135

⌜They are⌝ those who, upon committing an evil deed or wronging themselves, remember Allah and seek forgiveness and do not knowingly persist in sin—and who forgives sins except Allah? (3:135)

اس آیت میں ایک تو یہ ہدایت کی گئی کہ گناہوں میں مبتلا ہونا اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر سے غفلت کے سبب ہوتا ہے، اس لئے جب کوئی گناہ سرزد ہو اللہ تعالیٰ کی یاد کو فوراتازہ کرنا چاہئے، اور ذکر اللہ میں مشغول ہونا چاہئے۔

دوسری یہ ہدایت ہے کہ گناہوں کی معافی کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک پچھلے گناہوں پر ندامت، اللہ سے معافی مانگنا اور مغفرت کی دعا کرنا، سچی توبہ اور استغفار کرنا، دوسرے آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا۔

امام نوویؒ نے ریاض الصالحین میں توبہ کی شرائط کا ذکر فرمایا:

1۔ گناہوں کو فوراً ترک کر دینا

2۔ پچھلے گناہوں پر ندامت کا اظہار کرنا

3۔ آئندہ کیلئے پختہ عزم کرنا کہ وہ گناہ کا اعادہ نہیں کرے گا۔

4۔ اگر گناہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو دوسرے لوگوں کے حقوق کو پورا کرنا یا ان کے نقصانات کی تلافی کرنا۔

مذکورہ بالا صفات کے حامل لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ

أُولَٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ۔(آل عمران۔136)

ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کردے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور (نیک) عمل کرنے والوں کا کیا ہی اچھا صلہ ہے۔ آل عمران-136

Their reward is forgiveness from their Lord and Gardens under which rivers flow, staying there forever. How excellent is the reward for those who work ˹righteousness˺! (3:136)

زمین کی سیر کرو: سبق اور عبرت حاصل کرنے کیلئے

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ (آل عمران۔137)

تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں، سو زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔(آل عمران۔137)

Explore the Land to take lessons

Similar situations came to pass before you, so travel throughout the land and see the fate of the deniers. (3:137)

قرآن کے چند نام: بیان للنّاس، ھدایت، موعظہ

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔(آل عمران۔138)

یہ لوگوں کے واسطے بیان ہے اور متقی لوگوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ آل عمران۔138

This is an insight to humanity—a guide and a lesson to the God-fearing. (3:138)

کامیابی کا راز

وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران۔139)

تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار رہو۔(آل عمران۔139)

Key to success: True faith

Do not lose heart, nor fall into despair: for you will be superior, if you have true faith. (3:139)

مسلمانوں کو فرمایا جارہا ہے کہ احد میں تمہیں جو نقصان پہنچا ہے، اس سے نہ سست ہو اور نہ اس پر غم کھاؤ کیونکہ اگر تمہارے اندر ایمانی قوت موجود رہی تو تم غالب اور کامران رہو گے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی کا اصل راز اور بنیاد واضح کر دی ہے۔

احد میں شکست کے اسباب

غزوہ احد میں شکست کے تین سبب تھے:

1۔ شکست کی پہلی وجہ حضور ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ ٹیلے پر نگرانی کیلئے موجود لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا اور وہ ٹیلہ پر موجود نہ رہے۔ تو پہلا سبب آپس کا اختلاف اور مال غنیمت کی طمع تھا۔

2۔ دوسرا سبب یہ ہوا کہ جب حضور کے قتل کی افواہ مشہور ہو گئی تو مسلمانوں کے قلوب میں کمزوری پیدا ہو گئی جس کا نتیجہ بزدلی اور کم ہمتی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

3۔ تیسرا سبب جو ان دونوں سببوں سے زیادہ اہم تھا یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے حکم کی تعمیل میں اختلاف پیش آیا۔

یہ تین لغزشیں ہوئیں جن کی بناء پر شکست ہوئی۔ اس شکست کے نتیجے میں دو چیزیں پیدا ہو چکی تھیں۔ ایک تو شکست کا رنج و غم، جانی و مالی نقصانات۔ دوسری چیز جس کا خطرہ تھا کہ ان میں ہمیشہ کیلئے ضعف، دل شکنی پیدا نہ ہو جائے، اس لئے تسلی کیلئے فرمایا گیا: و لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

یعنی تم آئندہ کے لئے کمزوری اور سستی اپنے پاس نہ آنے دو، اور گزشتہ پر رنج و ملال نہ کرو، اور انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستہ پر مستقیم رہو۔

مطلب یہ تھا کہ گزشتہ باتیں اور لغزشیں جو ہو چکی ہیں ان پر رنج و غم میں اپنا وقت اور توانائی صرف کرنے کے بجائے مستقبل میں اصلاح احوال کی فکر کرو۔ ایمان وایقان، اطاعت رسولؐ درخشاں مستقبل کا ضامن ہے ان کو ہاتھ سے نہ جانے دو، انجام کار تم ہی غالب رہو گے۔

اس قرآنی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، اور پژمردہ جسموں میں تازہ روح پھونک دی، غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی کس طرح تربیت و اصلاح فرمائی اور ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو ایک ضابطہ اور اصول دیدیا، کہ گزشتہ فوت شدہ امور پر رنج و ملال میں وقت صرف کرنے کے بجائے مستقبل کی فکر ہونی چاہئے۔ پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتلادیا گیا کہ غلبہ اور بلندی حاصل کرنے کے لئے صرف ایک ہی چیز اصل ہے یعنی ایمان اور اس کے تقاضے پورے کرنا۔ ظاہری اسباب کو اختیار کرتے ہوئے اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھنا۔

انسانی زندگی میں نشیب و فراز آتا رہتا ہے

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔۔۔ (آل عمران-139)

یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ (آل عمران-139)

We alternate these days ˹of victory and defeat˺ among people. (3:139)

ایک اور انداز سے مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ اگر جنگ احد میں تمہیں جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا ہے تو اس میں دل برداشتہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ فتح و شکست کے ایام کو ادلتا بدلتا رہتا ہے۔ کبھی غالب کو مغلوب اور کبھی مغلوب کو غالب کر دیتا ہے اور یہ بھی قدرت کا نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ کامیابی ہی ملتی رہے اور ناکامی کا سامنا نہ کرنا پڑے تو اپنی خامیوں اور کمزوریوں کی اصلاح کا موقع نہیں ملتا۔ مسلمان ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اسے ہر میدان میں اور ہر موقع پر کامیابی ہی ملنی چاہئے۔ اس دنیا کو اسباب کے تحت رکھا گیا ہے۔ دنیا میں کامیابی کیلئے اللہ رب العالمین نے کچھ اصول رکھے ہیں۔ جو ان اصولوں کی پیروی کرتا ہے کامیاب ہوتا ہے۔ لیس للانسان الّا ما سعیٰ۔

چھٹا رکوع: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔۔۔ (آل عمران-144)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

نبی اکرمؐ کی شخصیت پر ایک خاص تناظر میں تبصرہ، موت کا ایک وقت مقرر ہے، شکر گزاروں کا بدلہ، اللہ کی راہ میں ثابت قدمی اور استقامت۔ توبہ، نصرت اور ثابت قدمی کی دعا، نیک اعمال کے باوجود عاجزی اور انکساری، اچھے لوگوں کیلئے دنیا و آخرت میں اجر۔

محمد رسول اللہ کی شخصیت

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔ (آل عمران۔144)

اور محمدؐ تو صرف اللہ کے رسول ہیں جیسے ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ رحلت فرماجائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤگے؟ یادرکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔ (آل عمران۔144)

Muḥammad is no more than a messenger; other messengers have gone before him. If he were to die or to be killed, would you regress into disbelief? Those who do so will not harm Allah whatsoever. And Allah will reward those who are grateful. (3:144)

محمد ﷺ صرف اللہ کے رسول ہیں یعنی ان کا امتیاز وصف رسالت ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انہیں موت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

آیت کا شان نزول: جنگ احد میں شکست کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ رسول اللہؐ کے بارے میں دشمنوں اور منافقین نے یہ افواہ اڑادی کہ نعوذ باللہ محمدؐ قتل کر دیئے گئے۔ مسلمانوں میں جب یہ خبر پھیلی تو اس سے بعض مسلمانوں کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی اکرمؐ کا رحلت فرماجانا یا ان کا شہید ہوجانا کوئی انہونی بات تو نہیں ہے۔ پچھلے انبیاء علیہم السلام بھی قتل اور موت سے ہمکنار ہو چکے ہیں۔ اگر آپؐ بھی (بالفرض) اس سے دوچار ہو جائیں تو کیا تم اس دین سے ہی پھر جاؤگے۔

جب نبیؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو اس وقت منافقین نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ چلو عبداللہ بن ابی کے پاس چلیں تا کہ وہ ہمارے لیے ابوسفیان سے امان لے دے۔ اور بعض نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ اگر محمدؐ خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے، چلو اب دین آبائی کی طرف لوٹ چلیں۔ انہی باتوں کے جواب میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تمہاری حق پرستی محض محمدؐ کی شخصیت سے وابستہ ہے اور تمہارا اسلام اتنا کمزور ہے کہ محمدؐ کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی تم اسی کفر و انکار کی طرف پلٹ جاؤ گے جس سے نکل کر آئے تھے تو اللہ کے دین کو تمہاری ضرورت نہیں ہے۔

اس آیت میں ایک اصولی بات کی طرف رہنمائی کی گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں رسول اکرم ﷺ کی عظمت و محبت جزو ایمان ہے وہیں یہ بات بھی اتنی ہی اہم تھی کہ کہیں مسلمان اس مرض کا شکار نہ ہو جائیں جس میں نصاریٰ مبتلا ہو گئے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کی عظمت و محبت کو پرستش اور عبادت کی حد تک پہنچا دیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک خدائی ٹھہرا لیا۔

غزوہ احد کی عارضی شکست کے وقت جب کسی نے یہ مشہور کر دیا کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی تو صحابہ کرام پر جو کچھ گزری اس کا ادنیٰ سا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں۔ اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کو صحابہ کرام کی جاں نثاری اور عشق رسول کا کچھ اندازہ ہو۔ جس کو یہ پوری طرح معلوم ہو کہ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کی محبت میں مال، اولاد اور اپنی جانیں اور سب کچھ گنوا دینے کو دنیا کی سب سے بڑی سعادت سمجھا اور عمل سے اس کا ثبوت دیا۔ ان عاشقان رسول کے کانوں میں جب یہ خبر پڑی ہو گی تو ان کے ہوش و حواس کا کیا عالم ہو گا خصوصاً جب کہ میدان جنگ گرم ہے، اور فتح کے بعد شکست کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے، پاؤں اکھڑ رہے ہیں، اس منظر نامہ میں وہ ہستی جو ساری کوششوں کا محور اور ساری امیدوں کا مظہر تھی، وہ بھی ان سے رخصت ہونے کی خبر ملتی ہے۔ اس کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کی ایک بھاری جماعت سراسیمہ ہو کر میدان جنگ سے ہٹنے لگی، یہ میدان سے پیچھے ہٹ جانا اگرچہ ہنگامی اور وقتی شاک کا نتیجہ تھا، خدانخواستہ اسلام سے پھر جانے کا کوئی شبہ یا وسوسہ بھی نہ تھا، لیکن حق تعالیٰ نے ان پاکباز لوگ جو بعد میں آنے والوں کیلئے مشعل راہ اور مینارہ نور تھے، ان کیلئے اس ادنیٰ لغزش کو بھی سخت قرار دیا۔ لہٰذا اس آیت میں یہ تنبیہ کی گئی کہ دین اسلام میں عبادت صرف اللہ کیلئے ہے جو ہمیشہ زندہ اور قائم ہے، اگر بالفرض یہ خبر صحیح بھی ہوتی کہ حضورؐ کی وفات ہو گئی تو بہر حال یہ تو ایک دن ہونا ہی ہے اس پر ہمت ہار بیٹھنا اور دین کا کام چھوڑ دینا تمہارے شایان شان نہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا: وما محمد الا رسول۔۔ یعنی محمدؐ ایک رسول ہیں (خدا تو نہیں)۔ آپؐ سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر آپ کی وفات

ہو جائے یا آپ کو شہید کر دیا جائے تو کیا تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

اس آیت میں یہ حقیقت بھی بیان فرمادی کہ رسول اللہ ﷺ ایک نہ ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے مجروح ہونے اور وفات کی خبر مشہور ہونے میں یہ قدرتی راز تھا کہ آپؐ کے بعد جو حالات صحابہ کرام پر پیش آسکتے تھے وہ آپ کی دنیوی حیات ہی میں ظاہر کر دیئے گئے تاکہ ان میں جو لغزش ہو اس کی اصلاح خود حضورؐ کی زبان مبارک سے ہو جائے۔ اور آئندہ جب یہ واقعہ وفات سچ مچ پیش آئے تو یہ عاشقان رسول اپنے آپ کو اس سخت صدمے کیلئے ذہنی طور پر تیار کر لیں۔ چنانچہ یہی ہوا آپؐ کی وفات کے وقت جب بڑے بڑے صحابہ کرام کے ہوش و حواس باقی نہ رہے، تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اسی آیت قرآنیہ کی سند لے کر ان کو سمجھایا اور وہ سب سنبھل گئے۔ جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب حضورؐ کا وصال ہوا تو اس خبر کو سن کر حضرت ابو بکر صدیق مسجد نبویؐ میں تشریف لائے، لوگوں کی حالت دیکھی اور بغیر کچھ کہے سنے حضرت عائشہ کے گھر پر آئے یہاں حضورؐ پر چادر اوڑھا دی گئی تھی آپ نے چادر کو ہٹایا اور آپؐ کا دیدار کیا، چہرہ انور کا بوسہ لیا اور روتے ہوئے فرمانے لگے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپؐ پر دو مرتبہ موت نہ لائے گا جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آچکی۔ اس کے بعد آپ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کو شدت غم میں وفات نبوی کا یقین ہی نہیں آرہا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت حکمت سے کام لیتے ہوئے منبر رسولؐ کے پہلو میں کھڑے ہو کر اسی آیت: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ۔۔۔ کی تلاوت فرمائی جس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی متاثر ہوئے اور انہیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی اتری ہیں۔ پھر تو ہر شخص کی زبان پر اس آیت کی تلاوت جاری ہو گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپؐ وصال فرما گئے ہیں۔

موت کا ایک وقت مقرر ہے

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا۔۔۔ (آل عمران۔145)

کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا، موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ (آل عمران۔145)

No soul can ever die without Allah’s Will at the destined time. (3:145)

اس آیت میں بھی حوادث اور مصائب کے وقت ثابت قدم رہنے کی تعلیم دینے کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کی موت اللہ تعالیٰ کے نزدیک لکھی ہوئی ہے اس کی تاریخ، دن اور وقت معین ہے، نہ اس سے پہلے کسی کو موت آسکتی ہے نہ اس کے بعد وہ زندہ رہ سکتا ہے، پھر کسی کی موت سے ایسے بے صبری کا مظاہرہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

دوسرا اس آیت سے یہ بات ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ موت سے فرار ممکن نہیں ہے۔ کوئی شخص نہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت سے پہلے مر سکتا ہے اور نہ اس کے بعد زندہ رہ سکتا ہے۔ لہٰذا تم کو فکر موت سے بچنے کی نہیں بلکہ اس بات کی ہونی چاہیے کہ زندگی کی جو مہلت بھی تمہیں حاصل ہے اس میں تمہاری سعی وجہد کا مقصود کیا ہے، دنیا یا آخرت؟

شکر گزاروں کا بدلہ

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَاۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْـهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ۔

(آل عمران۔145)

دنیا کی چاہت والوں کو ہم دنیا دے دیتے ہیں اور آخرت کا ثواب چاہنے والوں کو ہم وہ بھی دے دیں گے۔ اور ہم شکر گزاروں کو صلہ عطا کریں گے۔ (آل عمران۔145)

Those who desire worldly gain, We will let them have it, and those who desire heavenly reward, We will grant it to them. And We will reward those who are grateful. (3:145)

ثواب کے معنی ہیں نتیجہ عمل۔ ثواب دنیا سے مراد وہ فوائد و منافع جو انسان کو اس کی سعی و عمل کے نتیجہ میں اسی دنیا کی زندگی میں حاصل ہوں۔ اور ثواب آخرت سے مراد وہ فوائد و منافع ہیں جو اسی سعی و عمل کے نتیجہ میں آخرت کی پائیدار زندگی میں حاصل ہوں گے۔ اسلام کے نقطہ نظر سے انسانی اخلاق کے معاملہ میں فیصلہ کن سوال یہی ہے کہ کارزار حیات میں آدمی جو دوڑ دھوپ کر رہا ہے اس میں آیا وہ دنیوی نتائج پر نگاہ رکھتا ہے یا اخروی نتائج پر۔

اللہ کی راہ میں ثابت قدمی اور استقامت

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ۔ (آل عمران۔146)

بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ والوں نے راہ خدا میں جنگ کی۔ تو ان پر جو تکالیف، مشکلات آئیں ان پر وہ نہ پست ہمت ہوئے اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ وہ باطل کے آگے سرنگوں ہوئے۔ اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(آل عمران۔146)

Being Steadfast in Allah's path

˹Imagine˺ how many Prophets on whose side a large number of God-fearing devotees fought and never faltered despite whatever ˹losses˺ they suffered in the cause of Allah, nor did they weaken or give in! Allah loves such steadfast ones. (3:146)

اس آیت میں سابق انبیاء(علیہم السلام) اور ان کے اولیاء کی ثابت قدمی اور مصائب و شدائد سے نہ گھبرانا نہ کمزور ہونا جیسی صفات کو بیان کیا جارہا ہے۔

توبہ، استقامت اور نصرت کی دعا

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔ (آل عمران۔147)

اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں پر عفو و درگزر فرما، ہم سے ہمارے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہے اسے بھی معاف فرما اور ہمیں ثابت قدمی عطا فرما اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔(آل عمران۔147)

Dua of repentance, steadfastness and success

Our Lord! Forgive our sins and excesses, give us steadfastness and grant us success over the disbelieving people. (3:147)

اس آیت میں نیک لوگوں کی دعاؤں کا ذکر ہے۔

نیک اعمال کرنے کے باوجود عاجزی و انکساری

اس آیت میں ایک خاص پیغام ہے کہ اپنے کسی نیک عمل پر ناز اور گھمنڈ نہیں کرنا چاہے بلکہ ہر حال میں اللہ سے مغفرت اور عمل پر قائم رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ایک بندہ مومن ہمیشہ حقیقت شناس ہوتا ہے۔وہ کتنا ہی بڑا نیک کام اور کتنی ہی جدوجہد اللہ کی راہ میں کرلے،اس کو یہ حق نہیں کہ اپنے عمل پر ناز و فخر کرے،کیونکہ درحقیقت اس کا عمل بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل و کرم کا نتیجہ ہے،اس کے بغیر کوئی نیک عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

حدیث: حضور ﷺ نے ایک حدیث کے اندر فرمایا: فوا اللہ لو لا اللہ ماھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا۔ یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم اور اس کی توفیق نہ ہوتی تو ہمیں نہ سیدھے راستہ کی ہدایت ملتی اور نہ ہم سے زکوٰۃ ادا ہو سکتی اور نہ ہی ہم نمازی بن سکتے تھے۔

اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی انسان نیک عمل کرتا ہے تو وہ کتنا ہی درست کرلے وہ اس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اللہ رب العالمین،مالک کائنات کی شان کے مطابق کرنا اس کے بس میں نہیں۔اس لئے اس کی عبادت میں کوتاہی عین ممکن ہے۔لہٰذا اس کو ہمیشہ استغفار کی ضرورت ہے کیونکہ جو نیک عمل وہ اس وقت کر رہا ہے پتہ نہیں آگے مزید بھی اسے اس نیک عمل کی توفیق ہوگی یا نہیں۔

اس لئے موجودہ عمل میں کوتاہی پر ندامت اور آئندہ کے لئے اس پر قائم رہنے کی دعا مومن کا وظیفہ ہونا چاہئے۔مذکورہ دعاؤں میں سب سے پہلے اپنے پچھلے گناہوں کی معافی کی درخواست کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں انسان کو جو رنج و غم یا کوئی تکلیف یا دشمن کے مقابلہ میں شکست پیش آتی ہے وہ اکثر اس کے سابقہ گناہوں کا اثر ہوتا ہے،جس کا علاج استغفار و توبہ ہے۔

مولانا رومی نے فرمایا:

؎ غم چو بینی زود استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

اچھے لوگوں کیلئے دنیا اور آخرت میں اجر

فَاٰتَاھُمُ اللّٰہُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَۃِ ؕوَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (آل عمران۔148)

پھر اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا،اور اللہ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔آل عمران۔148

Double reward for good people

So Allah gave them the reward of this world and the excellent reward of the Hereafter. For Allah loves the good doers. (3:148)

اس رکوع کی آخری آیت میں نیک لوگوں کو دنیا وآخرت دونوں میں اچھا بدلہ دینے کا ذکر ہے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ انجام کار دشمنوں پر غالب اور اپنے مقصد میں کامیاب فرماتے ہیں، پھر آخرت کا بدلہ تو اصل بدلہ اور دائمی راحت ہے، جس کو کبھی فنا نہیں، اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ثواب آخرت کے ساتھ لفظ حسن بڑھادیا گیا۔ وحسن ثواب الاخرۃ فرمایا۔

ساتواں رکوع: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔۔۔ (آل عمران۔149)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

اللہ اہل ایمان کا مولیٰ اور مددگار، دنیا کے طلب گار، آخرت کے طلب گار، غزوہ احد میں شکست امتحان کیلئے تھی، حقیقی اختیار اللہ کے پاس ہے، دلوں کے بھید جاننے والی ہستی، احد میں کمزوری دکھانے والوں معافی۔

اللہ ہمارا مولیٰ اور مددگار

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ۔ (آل عمران۔150)

بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔(آل عمران۔150)

But! Allah is your Guardian, and He is the best Helper. (3:150)

احد کے موقع پر ابوسفیان نے نعرہ لگایا تھا کہ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ کہ ہمارے لیے تو عزّیٰ بت مدد کے لیے موجود ہے لیکن تمہاری لئے تو کوئی عزّیٰ ہی نہیں ہے۔ اس پر حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا: تم اس کو جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ نے پوچھا کہ کیا جواب دیں؟ حضورؐ نے فرمایا تم کہو: اللہ مولٰنا ولا مولٰی لکم۔ اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

دنیا کے طلبگار اور آخرت کے طلبگار

جنگ احد میں شکست امتحان اور آزمائش کیلئے تھی

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران۔152)

تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور تم میں سے بعض آخرت کے طالب تھے پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے اور البتہ بے شک اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے اور اللہ اہل ایمان پر فضل والا ہے۔(آل عمران۔152)

Failure in Uhad was a test

… Among you are some who desire this world, and among you are some who desire the Hereafter. He denied you success over them as a test, yet He has pardoned you. And Allah is Gracious to those who believe. (3:152)

غزوہ احد میں جو مصائب اور تکالیف مسلمانوں کو پیش آئیں وہ بطور سزا نہیں بلکہ بطور آزمائش تھیں، اس امتحان کے ذریعہ مؤمنین، مخلصین اور منافقین میں فرق کا اظہار کرنا تھا۔

حقیقی اختیار اللہ کے پاس ہے

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۔۔۔ (آل عمران۔154)

تم فرمادو کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں یعنی ہر معاملے میں اصل اختیار اللہ کے پاس ہے۔۔۔ (آل عمران۔154)

All matters are in Allah’s hands

All matters are destined by Allah. (3:154)

مدد بھی اللہ کی طرف سے آئے گی اور کامیابی بھی اسی کے حکم سے ہوگی اور امر و نہی بھی اسی کا ہے۔

دلوں کے بھید جاننے والی ہستی

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ (آل عمران۔154)

اور اللہ دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔(آل عمران۔154)

And Allah knows best what is ˹hidden˺ in the heart. (3:154)

It means that God knows your innermost thoughts very well.

احد میں کمزوری دکھانے والوں کیلئے معافی

إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ (آل عمران۔155)

تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے اُن کی اِس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے اُن کے قدم ڈگمگا دیے تھے اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ بہت در گزر کرنے والا اور بردبار ہے۔(آل عمران۔155)

Pardon for companions

Indeed, those who fled on the day when the two gatherings encountered with each other, it was Satan who caused them to slip because of some ˹blame˺ they had earned. But Allah has already forgiven them. Indeed, Allah is Forgiving and Forbearing. (3:155)

یعنی احد میں مسلمانوں سے جو لغزش اور کوتاہی ہوئی اس کی وجہ ان کی پچھلی کمزوریاں تھیں جس کی وجہ سے شیطان بھی انہیں پھسلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی لغزشوں، ان کے نتائج اور حکمتوں کے بیان کے بعد پھر بھی اپنی طرف سے ان کی معافی کا اعلان فرما رہا ہے۔ اس آیت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے اس شرف اور فضل کا اظہار ہے جو ان کی کوتاہیوں کے باوجود اللہ نے ان کے بارے میں ولقد عفا اللہ عنھم جیسے الفاظ میں فرما دیا۔ جس سے ایک تو صحابہ کرام کا مقام و مرتبہ، ان کا اللہ کی بارگاہ میں محبوب ہونا واضح ہے اور دوسرا اس آیت میں بادی النظر میں ایک تنبیہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہی قرآن کریم میں ان کے لئے عفو عام کا اعلان فرما دیا تو اب کسی کے لئے اعتراض کی گنجائش کہاں رہ گئی۔ جب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو معاف فرما دیا تو اب کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان کو ہدف تنقید بنائے۔ اس بنا پر امت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ گناہوں سے معصوم نہیں لیکن اس کے باوجود امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی طرف کسی برائی اور عیب کو منسوب کرے یا ان کا برا تذکرہ کیا جائے۔

صحیح بخاری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک حج کے موقع پر ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بعض اعتراضات کیے کہ وہ جنگ بدر میں، بیعت رضوان میں شریک نہیں ہوئے۔ اسی طرح یوم احد میں بھی جان بچا گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جنگ بدر میں تو انکی اہلیہ (بنت رسولؐ) سخت علیل تھیں (اسی بیماری میں ان کا انتقال بھی ہوا تھا)، بیعت رضوان کے موقع پر آپ حضورؐ کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے تھے اور یوم احد کی لغزش کو اللہ نے (سب کیلئے) معاف فرمادیا ہے۔ (تلخیص حدیث۔ صحیح بخاری، غزوہ احد)

آٹھواں رکوع: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔۔۔ (آل عمران۔156)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

غزوہ احد کے پس منظر میں مزید واقعات، شہدا کی حیات جاوداں، زندگی موت اللہ کے اختیار میں ہے، حضورؐ نرم مزاج اور رحمدل ہیں، داعیان حق اور مبلغین اسلام کیلئے اسوہ رسولؐ، احد میں شکست کی وجوہات، حضورؐ کو ہدایات، مشورہ اور شورائیت کی اہمیت، اللہ پر توکل کی فضیلت و اہمیت، نصرت الٰہی کے بغیر تم بے یار و مددگار ہو، غلول اور مالی خیانت، اللہ کی رضا کے مطابق چلنے والے، اللہ کے ہاں اعمال کے درجات، رسول اللہؐ کی ذمہ داریاں اور فرائض منصبی، تلاوت، تزکیہ نفوس، تعلیم کتاب و سنت، احد میں نقصان کی وجہ: اپنی ہی غلطی یعنی رسولؐ کی نافرمانی، منافقین کا طرز عمل، اللہ کسی کے اجر کو ضائع نہیں فرماتے۔

زندگی، موت اللہ کے اختیار میں ہے

۔۔۔وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (آل عمران۔156)

۔۔۔اور اللہ ہی زندگی اور موت کا مالک ہے اور اللہ تمہارے اعمال خوب دیکھ رہا ہے۔ (آل عمران۔156)

It is Allah who gives life and causes death. And Allah is All-Seeing of what you do. (3:156)

اہل ایمان کو اس عقیدہ سے روشناس کرایا جارہا ہے کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے نیز یہ کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ یہ عقیدہ انسان کے اندر عزم، حوصلہ اور جدوجہد کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ موت تو ہر صورت آنی ہے۔ موت تو مضبوط قلعوں کے اندر بھی آجاتی ہے۔ لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی مغفرت و رحمت کا مستحق قرار پائے تو یہ دنیا کے مال اسباب سے بہت بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے۔

حضورؐ رحمدل اور نرم مزاج تھے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۔ (آل عمران۔159)

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان کیلئے رحم دل ہیں۔ اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔ (آل عمران۔159)

The Prophet was kind-hearted

It is out of Allah's mercy that you ˹O Prophet˺ have been lenient with them. Had you been cruel or hard-hearted, they would have certainly abandoned you. (3:159)

نبی اکرم ﷺ جو صاحب خلق عظیم تھے، اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغمبر پر ایک احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ آپؐ کے اندر جو نرمی اور ملائمت ہے یہ اللہ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی دعوت و تبلیغ کے لئے نہایت ضروری ہے اگر آپؐ کے اندر یہ نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس آپؐ خدانخواستہ تند خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کی بجائے آپؐ سے دور بھاگتے۔ اس لئے آپ درگزر، نرم دلی اور رحمدلی سے ہی کام لیتے رہیئے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ حضور ﷺ کے اخلاق ہیں جن پر آپؐ کی بعثت ہوئی ہے یہ آیت ٹھیک اس آیت جیسی ہے آیت (لقد جاء کم۔۔بالمومنین روؑف الرّحیم) یعنی تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے جو تمہاری بھلائی کے حریص ہیں جو اہل ایمان پر شفقت اور رحم کرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں میں رسول اللہؐ کی صفات کو اگلی کتابوں میں پاتا ہوں کہ آپ سخت کلام، سخت دل، بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ لینے والے نہیں بلکہ عفوو درگذر کرنے والے اور معافی دینے والے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انّ اللہ امرنی بمداراۃ الناس کما امرنی باقامۃ الفرائض۔ لوگوں کی خاطر مدارت، خیر خواہی اور چشم پوشی کا مجھے اللہ کی جانب سے اسی طرح حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔ (ترمذی)

داعیان حق اور مبلغین اسلام کیلئے اسوہ رسولؐ

اس آیت سے اصلاح اور تبلیغ کے آداب بھی معلوم ہوتے ہیں۔ جو شخص رشد و ہدایت اور دعوت الی اللہ اور اصلاح خلق کے کام کا ارادہ کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ صفات اپنے اندر پیدا کرے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کی سختی برداشت نہیں ہوسکتی تو پھر کس کی مجال ہے کہ وہ تشدد، کج خلقی اور انتہا پسندی کے ساتھ مخلوق خدا کو اپنے گرد جمع کرسکے اور ان کی اصلاح کا فرض انجام دے سکے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ تندخو، سخت طبیعت ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہوجاتے، اس سے معلوم ہوا کہ مرشد و مبلغ کے لئے تندخوئی، سخت کلامی زہر قاتل ہے اور اس کے کام کو ضائع کرنے والی چیز ہے۔

ان آیات میں مربّی و مبلغ کے لئے چند صفات کا ہونا ضروری قرار دیا گیا، اول سخت کلامی اور کج خلقی سے بچنا، دوسرے ان لوگوں سے کوئی غلطی یا ان کے متعلق ایذاء کی کوئی چیز صادر ہوجائے تو انتقام کے درپے نہ ہونا بلکہ عفو و درگزر کا معاملہ کرنا، تیسرے یہ کہ ان کی خطاؤں اور لغزشوں کی وجہ سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑنا، ان کے لئے دعاء، واستغفار بھی کرتے رہنا اور معاشرتی معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنا۔

جیسا کہ آیت کے اگلے حصّے میں فرمایا گیا:

حضورؐ کو ہدایات

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (آل عمران۔159)

(اے پیغمبرؐ) اِن کے قصور معاف کردو، اِن کے لئے استغفار کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو۔ (آل عمران۔159)

Instructions to the Prophet

So, pardon them, ask Allah’s forgiveness for them, and consult with them in ⌜conducting⌝ matters. (3:159)

Naturally the encounter of Uhd was a hard test of the companion’s physical and moral strength.

Though the hypocrites had played a great part in the set-back at Uhd, some internal weaknesses contributed no

less to it. There were some signs of moral weakness for they were a new community and had not as yet got thorough a moral training and *tarbiyah*. As a result, some weaknesses came to the surface.

That is why a detailed review of the Battle of Uhd was needed to warn about internal shortcomings and to issue instructions for their reform.

احد میں شکست کی وجوہات:

رسولؐ کی نافرمانی،

بد نظمی،

منافقین کا کردار،

مال غنیمت پر نظر،

حضورؐ کو ہدایات:

در گزر،

ان کیلئے استغفار،

اور انکے ساتھ مشاورت

اس آیت میں ارشاد فرمایا: فاعف عنھم یعنی ان سے جو خطا ہو گئی ہے اس کو آپ معاف فرمادیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصلح کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عوام کی خطاؤں کا انتقام نہ لے۔ بلکہ عفو ودر گزر سے کام لے، برا کہنے والوں پر مشتعل نہ ہو، ایذا دینے والوں سے نرمی کا معاملہ کرے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا واستغفر لھم، یعنی آپ ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی مغفرت طلب کریں، جس میں یہ ہدایات ہے کہ صرف یہی نہیں کہ خود ان کی ایذاؤں پر صبر کریں۔ بلکہ دل سے ان کی خیر خواہی نہ چھوڑیں اور چونکہ سب سے بڑی خیر خواہی ان کی آخرت کی درستی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے عذب اسے بچانے کے لئے بخشش کی دعا مانگیں۔

اس آیت سے مشاورت کی اہمیت، افادیت اور اس کی ضرورت و مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے مشورہ کو رحمت سے تعبیر فرمایا۔ ابن عدی اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اس مشورہ کی حاجت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو امیری امت کے لئے ایک رحمت بنایا ہے۔ (بیان القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالی چاہتا تو اپنے رسول کو ہر کام بذریعہ وحی بتلا دیتا، کسی کام میں بھی مشورہ کی ضرورت نہ چھوڑتا، لیکن امت کی مصلحت اس میں تھی کہ آپ کے ذریعے مشورہ کی سنت جاری کرائی جائے، اس لئے بہت سے امور ایسے چھوڑ دیئے جن میں صراحتا کوئی وحی نازل نہیں ہوئی، ان میں آپ کو مشورہ لینے کی ہدایت فرمائی گئی۔

اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشورے کا حکم آپ کو بطور وجوب کے دیا تھا، آپؐ کا اختیاری امر تھا یا محض امت کو مشورہ کی تعلیم دینا مقصود تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں اس آیت میں حضرت ابو بکر و عمر سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ (حاکم)

حضورؐ کو مشاورت کا یہ حکم بعض کے نزدیک وجوب کے لئے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لئے ہے کہ اس کا مقصد صحابہ کرام کی دل جوئی تھا (تطییباً لقلوبھم)۔ (ابن کثیر)

حدیث: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کے بعد اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم صراحتا قرآن میں نازل نہیں ہوا اور آپ سے بھی اس کے متعلق کوئی ارشاد ہم نے نہ سنا ہو تو ہم کیا کریں؟ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسے کام کے لئے اپنے لوگوں میں سے عبادت گذار فقہاء کو جمع کرو اور ان کے مشورہ سے اس کا فیصلہ کرو، کسی کی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

امام شوکانی لکھتے ہیں کہ حکمرانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انہیں علم نہیں ہے یا ان کے بارے میں انہیں اشکال ہیں۔

ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ ایسے حکمران کو معزول کرنے پر کوئی اختلاف نہیں ہے جو اہل علم و اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا۔

Importance of consultation

مشورہ کی اہمیت

مشورہ ایک مسنون عمل ہے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کرنے سے برکات حاصل ہوتی ہیں۔

مسئلہ گھر میں ہو، فیملی میں ہو، محلے میں ہو، شہر میں ہو، ملک میں ہو یا دنیا میں ہو، اس سلسلے میں متعلقہ لوگوں سے مشاورت ضرور کرنی چاہئے۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا: مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ وَلاَ عَالَ مَنِ اقْتَصَد۔ جو استخارہ کرتا ہے وہ نامراد نہیں ہوتا، جو مشورہ کرتا ہے، وہ نادم نہیں ہوتا اور جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔(طبرانی و مجمع الزوائد)

حدیث: المستشار موتمن۔ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہے۔(ترمذی، ابوداؤد)

حدیث: اذا استشار احدکم اخاہ فلیشر علیہ۔ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہئے بھلی بات کا مشورہ دے۔(ابن ماجہ)

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے حکام تم میں سے بہترین آدمی ہوں اور تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوا کریں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لئے بہتر ہے۔

اللہ پر توکل کی فضیلت واہمیت

آیت کے آخری حصے سے توکل علی اللہ کی اہمیت معلوم ہوتا ہے:

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (آل عمران۔159)

پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اُسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔(آل عمران۔159)

Reliance on Allah

Once you make a decision, put your trust in Allah. Surely Allah loves those who trust in Him. (3:159)

اگلی آیت میں پھر توکل کی اہمیت کے بارے میں فرمایا گیا:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (آل عمران۔160)

اہل ایمان کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔(آل عمران۔160)

People of faith should put their trust in Allah. (3:160)

نصرت الٰہی کے بغیر تم بے یارومددگار ہو

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔(آل عمران۔160)

اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ایسا ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے، اور اہل ایمان کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔(آل عمران۔160)

You are nothing without Allah's help

If Allah helps you, none can prevail over you. But if He denies you help, then who else can help you? So, people of faith should put their trust in Allah. (3:160)

غلول اور مالی خیانت

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (آل عمران۔161)

اور کسی نبی کی نسبت یہ گمان ہی ممکن نہیں کہ وہ کچھ چھپائے گا، اور جو کوئی (کسی کا حق) چھپاتا ہے تو قیامت کے دن اسے وہ لانا پڑے گا جو اس نے چھپایا تھا، پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(آل عمران۔161)

It is not for a prophet to act unfaithfully (to withhold spoils of war). And whoever does so, it will be held against them on the Day of Judgment. Then every soul will be paid in full for what it has done, and none will be wronged. (3:161)

شانِ نزول: جنگ احد کے دوران جو لوگ اپنی متعین جگہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پہنچے تو سارا مال دوسرے لے جائیں گے۔ اس پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ کیا تمہیں اپنے نبی محمدؐ کی امانت، دیانت پر اطمینان نہیں۔ یاد رکھو کہ ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہی نہیں کیونکہ خیانت، نبوت کے منافی ہے۔

اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ بغیر وجہ کسی پر خیانت کا الزام لگانا ویسے بھی ایک بہت بڑا گناہ ہے لیکن کسی نبی کے متعلق یہ گمان کرنا کہ اس نے یہ گناہ کیا ہو گا نہایت ہی بیہودہ جسارت ہے کیونکہ انبیاء ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ اللہ رب العالمین نے اپنے پیارے حبیبؐ کی صفائی اور دفاع میں یہ آیت نازل فرمائی۔ اس طرح کے اندازِ تکلم سے امت کی تربیت مقصود ہوتی ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا گیا: لئن اشرکت لیحبطن عملک۔ اگر آپ بھی شرک کریں گے تو آپ کے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ حالانکہ آپؐ تو معصوم عن الخطاء ہیں۔ آپؐ سے شرک کا صدور نا ممکن ہے۔ ان جیسے الفاظ سے در حقیقت امت کو تعلیم دینا مقصود ہوتا ہے۔

آیت ماکان لنبی ان یغل اگرچہ ایک خاص پس منظر میں نازل ہوئی مگر اس آیت سے خیانت کے متعلق امت مسلمہ کو بہت ہی اہم ہدایت کر دی گئی۔ غلول کا اطلاق صرف مالِ غنیمت کی خیانت پر نہیں ہوتا بلکہ مطلق خیانت بھی اس میں شامل ہے۔ اس آیت سے ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ کسی سربراہ مملکت کو بھی خیانت کا حق نہیں۔ عموماً اعلیٰ مناصب پر فائز لوگوں پر مالی معاملات میں روک ٹوک نہیں کی جاتی بلکہ من پسند مالی تصرفات کو ان کا استحقاق سمجھا جاتا ہے اور ان کو ایسے معاملات میں ہر اصول سے مستثنیٰ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن قربان جایئے دین اسلام کے اصول مساوات پر کہ دینی احکامات میں کسی کو مستثنیٰ نہیں رکھا گیا۔ اس آیت میں امانت، دیانت کا کتنا بڑا معیار مقرر کر دیا گیا۔ اس آیت میں سبق ہے ہر سربراہ مملکت کیلئے، ہر وزیر خزانہ کیلئے، ہر امیر جماعت کیلئے، ہر امام کیلئے، ہر خزانچی کیلئے، ہر مسجد کے صدر یا کمیٹی ممبر کیلئے، ہر مدرسہ کے مہتمم کیلئے، ہر چیریٹی اور رفاہی ادارے کے ٹرسٹی کیلئے کہ بیت المال یا پبلک منی میں خرد برد کا اختیار کسی کو بھی نہیں۔ یہی حکم مساجد، مدارس، خانقاہوں، اوقاف کے اموال، زکوٰۃ و صدقات کے محصولات، چیرٹی منی، قومی خزانہ، پبلک منی اور ٹیکس پیئرز منی کا ہے جس میں ہزاروں لاکھوں افراد کا چندہ اور کنٹری بیوشن ہوتی ہے۔ اس کو اسلامی اصطلاح میں بیت المال کہا جاتا ہے۔ بیت المال، اموال او قاف اور سرکاری خزانہ میں چوری اور کرپشن غلول کے حکم میں ہے۔

ایسا مال جس میں کئی افراد کا حصہ اس میں خیانت عام چوریوں اور خیانتوں سے زیادہ شدید جرم ہے۔ جس نے اجتماعی یا قومی مال میں خیانت یا کرپشن کی اس نے لاکھوں، کروڑوں آدمیوں کی چوری کی۔ اگر کسی وقت اس کو تلافی کا خیال آ بھی جائے تو

بہت مشکل ہے کہ سب کو ان کا حق پہنچائے یا معاف کرائے بخلاف دوسری خیانت کے کہ کسی وقت اللہ نے توبہ کی توفیق دی تو اس کا حق ادا کرکے یا معاف کرا کر بری ہو سکتا ہے۔

اجتماعی اموال میں پورے ملک کے باشندوں کا حق ہوتا ہے، جس نے اس میں چوری کی اس نے سب کی چوری کی۔ مگر چونکہ یہی اموال عموماً ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا، نگرانی کرنے والے بے پروائی کرتے ہیں، چوری کے مواقع بکثرت ہوتے ہیں، اس لئے آج کل دنیا میں سب سے زیادہ چوری اور خیانت انہی اموال میں ہو رہی ہے اور لوگ اس کے انجام بد اور وبال عظیم سے غافل ہیں کہ اس جرم کی سزا علاوہ عذاب جہنم کے میدان حشر کی رسوائی بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محرومی بھی۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

حدیث: صحیحین میں بروایت حضرت ابوہریرہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو ایسا نہ ہو کہ قیامت میں کسی کو اس طرح دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ لدا ہوا ہو (اور یہ اعلان ہوتا ہے کہ اس نے مال غنیمت کا اونٹ چرایا تھا) وہ شخص اگر مجھ سے شفاعت کا طالب ہوگا تو میں اس کو صاف جواب دے دوں گا کہ میں نے حکم الٰہی پہنچا دیا تھا اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ بچائے یہ میدان حشر کی رسوائی ایسی ہوگی کہ بعض روایات میں ہے کہ جن کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا وہ تمنا کریں گے کہ ہمیں جہنم میں بھیج دیا جائے مگر اس رسوائی سے بچ جائیں۔

حدیث: حضرت ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ مجھے جب رسول اللہ ﷺ نے عامل بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا: اے ابو مسعود! جاؤ ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت سے لے لیا ہو۔۔۔(ابوداؤد)

حدیث: حدیث مبارکہ کے اندر آتا ہے کہ: لایقبل اللہ صلوٰۃ بغیر طھور ولا صدقۃ من غلول۔ اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز کو اور خیانت کے مال میں سے صدقہ و خیرات کو قبول نہیں فرماتے۔

اللہ کی رضا کے مطابق چلنے والا

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ (آل عمران۔162)

بھلا جو شخص اللہ کی رضا کے مطابق چلنے والا ہو وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو غضب الٰہی کا مستحق ہو اور جس کا آخری ٹھکانا جہنم ہو جو بدترین جگہ ہے۔(آل عمران۔162)

Seekers of Allah's pleasure

Are those who seek Allah's pleasure like those who deserve Allah's wrath? Hell is their home. What an evil destination! (3:162)

اللہ کے ہاں اعمال کے درجات

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ (آل عمران۔163)

اللہ کے حضور ان کے مختلف درجات ہیں اور اللہ سب کے اعمال پر نظر رکھتا ہے۔(آل عمران۔163)

Ranks in the sight of Allah

They ˹each˺ have varying degrees in the sight of Allah. And Allah is All-Seeing of what they do. (3:163)

پھر فرمایا جارہا ہے کہ بھلائی اور برائی والے مختلف درجوں پر ہیں، نیکی والے جنت کے درجوں میں ہیں اور بدی والے جہنم کے طبقات میں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے: وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا۔ ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔(الانعام:32) پھر فرمایا اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے اور عنقریب ان سب کو پورا بدلہ دے گا نہ نیکی ضائع ہو گی اور نہ بدی چھپ سکے گی بلکہ ہر عمل کے مطابق ہی جزا سزا ہو گی۔

رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریاں اور فرائض منصبی

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ۔ (آل عمران۔164)

بے شک، اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے کہ اُن کے درمیان خود انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر بھیجا جو اللہ کی آیات انہیں سناتا ہے، اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔(آل عمران۔164)

Indeed, Allah has done the believers a ˹great˺ favour by raising a messenger from among them—reciting to them His revelations, purifying them, and teaching them the Scripture and Wisdom. For indeed they had previously been clearly astray. (3:164)

اس آیت میں نبوت کے تین اہم مقاصد بیان کئے گئے ہیں:

1۔ تلاوت

2۔ تزکیہ

3۔ تعلیم کتاب وحکمت

تعلیم کتاب میں تلاوت از خود آجاتی ہے، تلاوت کے ساتھ ہی تعلیم ممکن ہے۔ اس کے باوجود تلاوت کو الگ ایک مقصد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے اس نقطے کی وضاحت مقصود ہے کہ تلاوت بجائے خود ایک مقدس اور اور نیک عمل ہے۔ اگرچہ قرآن کے معنی و مطالب کو سمجھنے کی کوشش کرنا یقیناہر مسلمان کے لئے ضروری ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآن سے اعراض یا غفلت بھی جائز نہیں۔

تزکیہ سے مراد عقائد اور اعمال و اخلاق کی اصلاح ہے۔ جس طرح آپؐ نے انہیں شرک سے ہٹا کر توحید پر لگایا اسی طرح نہایت بد اخلاق اور بد اطوار قوم کو اخلاق اور کردار کی رفعتوں سے بھی ہمکنار کر دیا۔

حکمت سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک حدیث نبویؐ اور سنت نبویؐ ہے۔

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کو اللہ تعالیٰ ایک احسان کے طور پر بیان فرما رہا ہے۔ حقیقت میں یہ احسان عظیم ہے کہ وہ نبی انہی میں سے ہے جس سے ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان اور لہجے میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھنا ہر شخص کے لئے آسان ہو گا دوسرے لوگ اس سے مانوس اور قریب ہونگے۔ تیسرے انسان کے لئے انسان یعنی بشر کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجدان و شعور کی گہرائیوں اور باریکیوں کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس لئے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو دعوت و تبلیغ کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس لئے جتنے بھی انبیاءؑ آئے ہیں سب کے سب انسان ہی تھے۔

قرآن کریم کی ایک اور آیت کے مطابق حضور ﷺ رحمتہ للعالمین ہیں اور پورے عالم کے لئے آپ کا وجود نعمت کبریٰ اور احسان عظیم ہے۔اس جگہ اس کو صرف مؤمنین کے لئے فرمانا ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم کو بعض جگہ صرف متقین کے ساتھ مخصوص کرکے بیان فرمایا ھدی للمتقین۔ کہ یہ متقی لوگوں کیلئے ہدایت ہے۔ لیکن دوسری جگہ قرآن مجید کو ساری انسانیت کیلئے ہدایت کا ذریعہ بتایا گیا۔ جیسا کہ آیت ھدی للناس سے واضح ہوتا ہے۔ اس فرق کی وجہ دونوں جگہ ایک ہی ہے کہ اگرچہ رسول اللہؐ کا وجود باوجود سارے عالم اور ہر مومن و غیر مومن کے لئے نعمت کبریٰ اور احسان عظیم ہے اسی طرح قرآن کریم سارے عالم انسانیت کے لئے صحیفہ ہدایت ہے، مگر چونکہ اس نعمت و ہدایت کا نفع صرف مؤمنین اور متقین نے حاصل کیا اس لئے کسی جگہ اس کو ان کے ساتھ مخصوص کرکے بھی بیان کر دیا گیا۔

اگر موجودہ دور کا انسان روحانیت فراموش اور مادیت کا پرستار نہ ہوتا تو یہ مضمون کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں تھا، عقل سے کام لینے والا ہر انسان اس احسان عظیم کی حقیقت سے خود واقف ہوتا مگر ہو یہ رہا ہے کہ آج کا انسان دنیا کے جانوروں میں ہوشیار ترین جانور سے زیادہ کچھ نہیں رہا اس کو احسان و انعام صرف وہ چیز نظر آتی ہے جو اس کے پیٹ اور نفسانی خواہشات کا سامان مہیا کرے، اس کے وجود کی اصل حقیقت جو اس کی روح ہے اس کی خوبی اور خرابی سے وہ یکسر غافل ہو گیا ہے، اس لئے اس تشریح کی ضرورت ہوئی کہ انسان کو پہلے تو یہ بتلایا جائے کہ اس کی حقیت صرف چند ہڈیوں اور گوشت پوست کا مجموعہ نہیں، بلکہ حقیقت انسان وہ روح ہے جو اس کے بدن کے ساتھ متعلق ہے۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں آتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ انسانی روح کی صحیح تربیت کرکے انسان کو حقیقی انسان بنائیں، تاکہ اس کے بدن سے جو اعمال و افعال صادر ہوں وہ انسانیت کے لئے مفید ثابت ہوں، وہ درندے اور زہریلے جانوروں کی طرح دوسرے انسانوں کو ایذاء اور تکلیف دیتا نہ پھرے اور خود اپنے بھی انجام کو سمجھ کر آخرت کی دائمی زندگی کا سامان مہیا کرے۔

ہمارے رسول کریمؐ کو جیسے تمام انبیاءؑ میں امامت و سیادت کا منصب حاصل ہے، انسان کو صحیح انسان بنانے میں بھی آپ کی شان تمام انبیاء سے بہت ممتاز ہے، آپ نے یہی کام افراد سازی کا انجام دیا اور انسانوں کا ایسا معاشرہ تیار کر دیا جس کا مقام فرشتوں سے آگے ہے اور زمین و آسمان نے اس سے پہلے ایسے انسان نہیں دیکھے کہ ان میں سے ایک ایک رسول اللہؐ کا زندہ معجزہ اور مینارہ نور ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے اپنی سیرت اور علیٰ تعلیمات چھوڑی ہیں، یہ تعلیمات اور سیرت نبویؐ سارے عالم اور ساری انسانیت کیلئے اسوہ حسنہ ہے۔ اس لحاظ سے آپؐ کا وجود پورے عالم انسانیت کیلئے احسان عظیم ہے اگرچہ اس سے زیادہ نفع اہل ایمان نے ہی نے اٹھایا ہے۔

احد میں نقصان کی وجہ: اپنی ہی غلطی یعنی رسولؐ کی نافرمانی

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَاؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ (آل عمران-165)

اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑ چکی ہے اے نبیؐ! اِن سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(آل عمران-165)

Why is it when you suffered calamity ˹at Uḥud˺—although you had made your enemy suffer twice as much ˹at Badr˺—you protested, "How could this be?"? Say, ˹O Prophet,˺ "It is because of your disobedience." Surely Allah is Most Capable of everything. (3:165)

اس آیت میں جس مصیبت کا ذکر ہو رہا ہے یہ **احد کی مصیبت** ہے جس میں مسلمانوں کا کافی جانی اور مالی نقصان ہوا تھا۔ اکابر صحابہ تو خیر حقیقت شناس تھے اور کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکتے تھے، مگر عام لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ جب اللہ کا رسول ہمارے درمیان موجود ہے اور اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں دشمن ہم پر فتح پا ہی نہیں سکتے۔ اس لیے جب احد میں ان کو شکست ہوئی تو ان کی توقعات کو **سخت صدمہ** پہنچا اور انہوں نے حیران ہو کر پوچھنا شروع کیا کہ یہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ یہ آیات اسی حیرانی کو دور کرنے کے لیے ارشاد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے۔ یعنی یہ تمہاری اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا نتیجہ ہے۔ یعنی تمہاری اس **غلطی** کی وجہ سے جو رسول اللہؐ کے تاکیدی حکم کے باوجود متعین جگہ چھوڑ کر تم نے کی تھی۔ اس غلطی یعنی **رسولؐ کی نافرمانی** کی وجہ سے قریش مکہ کو دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اسی طرح تم نے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑا، بعض کام تقویٰ کے خلاف کیے، مال کی طمع میں مبتلا ہوئے، آپس میں نزاع و اختلاف کیا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت جابر بن عبداللہ (رض) فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔(بحوالہ ابن کثیر)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ: بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہیں بدر میں فتح دینے کی قدرت رکھتا ہے تو وہ تمہیں احد میں (خامیوں کی اصلاح کیلئے) شکست دینے کی بھی قدرت رکھتا ہے کیونکہ ہر چیز اس کے اختیار میں ہے۔

منافقین کا طرز عمل

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۚ۔ (آل عمران-167)

وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں، اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔(آل عمران-167)

They (hypocrites) say with their tongues what is not in their hearts (mind). Allah knows well what they conceal. (3:167)

اللہ اجر کو ضائع نہیں کرتے

۔۔وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران-171)

۔۔اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔(آل عمران-171)

And that Allah does not deny the reward of the believers. (3:171)

نواں رکوع: اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ۔۔۔ (آل عمران-172)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

اس رکوع میں احد میں شکست خوردگی کے بعد بھی رسول ؐ کی پکار پر لبیک کہنے والے جانثار صحابہ کی تعریف کی گئی۔ اللہ پر توکل اور بھروسے کی دعا، توکل کا نتیجہ: بغیر جنگ اور نقصان کے واپسی، اللہ پر توکل کی برکات، شیطانی وساوس اور توہمات، حضورؐ کو تسلی اور اطمینان، انکار اور تکذیب کے خریدار، اللہ کی مہلت، بخل کی مذمت، کل نفس ذائقة الموت، ایمان کے بعد آزمائش ضرور ہوگی، حق گوئی اور کلمہ حق، علماء کا فرض منصبی، جھوٹی شہرت چاہنے والوں کی مذمت، حقیقی اختیار اور قدرت کی حامل ہستی۔

جب قریش مکہ جنگ احد سے واپس ہوئے توراستے میں انہیں خیال آیا کہ ہم نے تو ایک سنہری موقع ضائع کر دیا۔ انہوں نے سوچا کہ نبی اکرمؐ اور آپؐ کے ساتھی شکست کی وجہ سے خوف زدہ اور بے حوصلہ ہو چکے ہونگے لہٰذا ہمیں اس سے فائدہ اٹھا کر دوبارہ مدینہ پر حملہ کر دینا چاہیے تھا تا کہ (نعوذ باللہ) اسلام کا یہ پودا اپنی سرزمین (مدینہ) سے ہی نیست و نابود ہو جائے۔ ادھر مدینہ پہنچ کر نبی کریمؐ کو بھی اندیشہ ہوا کہ شاید مکہ والے پلٹ کر آئیں لہٰذا آپؐ نے صحابہ کرام کو دوبارہ مقابلے کیلئے آمادہ کیا جس پر صحابہ کرام تیار ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ قافلہ جب مدینہ سے 8 میل واقع حمراء الاسد پر پہنچا تو قریش مکہ کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں ہمیں شکست نہ ہو جائے چنانچہ انہوں نے اپنا ارادہ بدل لیا، وہ مدینہ پر حملہ آور ہونے کے بجائے مکہ واپس چلے گئے، اس کے بعد نبی اکرمؐ اور آپؐ کے رفقاء بھی مدینہ واپس آ گئے۔ اگرچہ اس صورتحال میں کوئی نئی جنگ نہیں ہوئی تھی مگر پھر بھی اللہ ربّ العالمین نے صحابہ کرام کے جذبہ اطاعت کی تعریف کی تعریف ان الفاظ میں کی:

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌۚ۔ (آل عمران۔172)

جن لوگوں نے شکست کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا، ان میں سے جو نیکو کار اور پرہیز گار ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ (آل عمران۔172)

Those who responded to Allah and the Messenger after suffering defeat, those of them who did good and were mindful ˹of Allah˺ will have a great reward. (3:172)

کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان نے بعض لوگوں کو معاوضہ دے کر مدینہ میں یہ افواہ پھیلائی کہ قریش مکہ لڑائی کے لئے بھرپور تیاری کر رہے ہیں تا کہ یہ سن کر اہل اسلام کے حوصلے پست ہو جائیں، لیکن اس قسم کی افواہیں سن کر صحابہ کرام خوف زدہ ہونے کے بجائے مزید عزم اور حوصلہ سے سرشار ہو گئے جن کی تعریف اگلی آیت میں کی جا رہی ہے:

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (آل عمران۔173)

جنہیں لوگوں نے کہا کہ مکہ والوں نے تمہارے مقابلے کے لیے تیاری کی ہے سو تم ان سے ڈرو۔ تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (آل عمران۔173)

When hypocrites said to them: Indeed, the people have gathered against you, so fear them." But it increased them in faith, and they said, "Sufficient for us is Allah, and ˹He˺ is the best Protector and Guardian. (3:173)

اللہ پر توکل، اور بھروسے کی دعا

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔(آل عمران۔173)

ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ آل عمران۔173

Allah is the best guardian and protector

Allah is Sufficient for us; and what an excellent Guardian He is! (3:173)

حدیث میں حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔ پڑھنے کی فضیلت موجود ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔(فتح القدیر)

رسول اکرم ﷺ نے خود اسی آیت حسبنا اللہ و نعم الوکیل کے بارے میں ایک حدیث کے اندر فرمایا ہے:

عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا۔ آپؐ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا۔ یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ سنا اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا کہ حسبی اللہ و نعم الوکیل۔ حضورؐ نے فرمایا اس شخص کو میرے پاس لاؤ اور پھر اس کو نصیحت فرمائی: اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ تم کو چاہئے کہ پہلے تمام ذرائع اختیار کرو پھر عاجز ہو جاؤ اس وقت کہو حسبی اللہ و نعم الوکیل۔

توکل کا نتیجہ: بغیر جنگ اور نقصان کے واپسی

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللهِ ؕ وَاللهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ۔(آل عمران۔174)

آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ (بغیر جنگ کے) واپس آگئے، ان کو کسی قسم کی تکلیف بھی نہیں پہنچی اور اللہ کی رضامندی پر چلنے کا شرف بھی انہیں حاصل ہو گیا، اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔(آل عمران۔174)

Reward of Trust and reliance: Protection & Bounty

So, they returned with Allah's favours and grace (without war), suffering no harm. For they sought to please Allah. And surely Allah is ˹the˺ Lord of infinite bounty. (3:174)

نِعْمَۃ سے مراد سلامتی ہے یعنی وہ امن سلامتی کے ساتھ بغیر جنگ کے واپس گھروں میں آ گئے۔

فضل سے مراد نفع ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مقام پر گزرنے والے قافلے سے سامان تجارت خرید کر فروخت کیا جس سے نفع حاصل ہوا اور آپؐ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر)

اللہ پر توکل کی برکات

پچھلی آیت میں اللہ پر توکل کا حکم تھا۔ اس آیت میں حسبنا اللہ ونعم الوکیل کی دعاء کے فوائد و ثمرات اور برکات کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو تین نعمتیں عطا کیں۔

1۔ پہلی نعمت تو یہ کہ قریش مکہ کے قلوب میں رعب و ہیبت ڈال دی اور دشمن لوگ بھاگ گئے جس کی وجہ سے یہ حضرات قتل و قتال سے محفوظ رہے۔ اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے نعمت ہی کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

2۔ دوسری نعمت اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمائی کہ ان حضرات کو حمراء الاسد کے بازار میں تجارت کا موقع ملا اور اس مال سے منافع حاصل ہوا۔ یہ ایک لحاظ سے دنیاوی فائدہ تھا لیکن اللہ نے اس کو بھی اپنے فضل اور نعمت سے تعبیر فرمایا۔

3۔ تیسری نعمت جو ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے وہ رضائے الٰہی کا حصول ہے جو اس مہم کے نتیجے میں ان حضرات کو خاص انداز میں حاصل ہوئی۔

حسبنا اللہ و نعم الوکیل کے جو فوائد و برکات قرآن کریم نے بیان فرمائے وہ صرف صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ جو شخص بھی جذبہ ایمانی کے ساتھ اس آیت کا ورد کرے وہ انشاء اللہ یہ برکات حاصل کر لے گا۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھ کر دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو رد نہیں فرماتا۔ پریشانیوں اور مصائب کے وقت حسبنا اللہ و نعم الوکیل کا پڑھنا مجرب ہے۔

شیطانی شرارت، وساوس اور توہمات

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (آل عمران-175)

دراصل اس (شرارت) کے پس پردہ شیطان ہی ہے جو تمہیں اپنے چیلوں سے ڈراتا ہے۔اور تم ان سے نہ ڈرو اور صرف مجھ سے ڈرو۔ اگر سچے مؤمن ہو۔(آل عمران۔175)

That ˹fake news of war˺ was only ˹from˺ Satan, trying to prompt you to fear his followers. So do not fear them; fear Me if you ˹truly˺ have faith. (3:175)

حضورؐ کو تسلّی اور اطمینان

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَ لَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ (آل عمران۔176)

(اے پیغمبرؐ) جو لوگ آج انکار اور تکذیب کی راہ میں بڑی گرمجوشی دکھا رہے ہیں ان کی سرگرمیاں تمہیں پریشان نہ کریں، یہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اُن کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے، اور بالآخر ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔(آل عمران۔176)

˹O Prophet!˺ Do not grieve for those who race to disbelieve—surely they will not harm Allah in the least. It is Allah's Will to disallow them a share in the Hereafter, and an awful punishment awaits them. (3:176)

نبی اکرم ﷺ کے اندر اس بات کی شدید خواہش اور حسرت تھی کہ کاش سارے ہی لوگ مسلمان ہو جائیں، اسی لئے ان کے انکار اور تکذیب سے آپؐ کو سخت تکلیف پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپؐ غمگین اور پریشان نہ ہوں، یہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اپنی ہی آخرت برباد کر رہے ہیں۔

انکار و تکذیب کے خریدار

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَ لِيْمٌ۔(آل عمران۔177)

جنھوں نے ایمان کے بدلے انکار و تکذیب خرید لیا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(آل عمران۔177)

Those who trade belief for unbelief will never harm Allah in the least, and they will suffer a painful punishment. (3:177)

اللہ کی مہلت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (آل عمران۔178)

اور انکار و تکذیب کی راہ پر چلنے والے لوگ اس گمان میں نہ رہیں کہ ہم جو ان کو مہلت دیئے جاتے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے۔ ہم تو انہیں اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ یہ خوب بار گناہ سمیٹ لیں، (آخر کار) ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔(آل عمران۔178)

Let not the Unbelievers think that our respite to them is good for themselves: We grant them respite that they may grow in their iniquity: They are only given more time to increase in sin, and for them is a degrading doom. (3:178)

اس آیت میں اللہ کے قانون امہال (مہلت دینے) کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق انسانوں کو مہلت عطا فرماتے ہیں۔ وقتی طور پر انہیں دنیا کی فراغت و خوش حالی سے، مال اولاد سے نوازتا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ان پر اللہ کا فضل ہو رہا ہے لیکن اگر اللہ کی نعمتوں سے فیض یاب ہونے والے نیکی اور اطاعت الٰہی کا راستہ اختیار نہیں کرتے تو یہ دنیاوی نعمتیں، فضل الٰہی نہیں، مہلت الٰہی ہے۔ جس سے بعض دفعہ ان کی نافرمانی اور فسق میں اضافہ ہوتا ہے۔ بالآخر وہ جہنم کے دائمی عذاب کے مستحق قرار پاجاتے ہیں۔ اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔

ایمان اور تقویٰ رکھنے والوں کیلئے اجر عظیم

۔۔فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (آل عمران۔179)

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو اگر تم ایمان اور خدا ترسی کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔(آل عمران۔179)

So believe in Allah and His messengers. And if you are faithful and mindful ˹of Allah˺, you will receive a great reward. (3:179)

بخل کی مذمت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰـهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ (آل عمران۔180)

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے نہیں، یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔(آل عمران۔180)

And do not let those who ⸢greedily⸣ withhold Allah's bounties think it is good for them—in fact, it is bad for them! They will be leashed ⸢by their necks⸣ on the Day of Judgment with whatever ⸢wealth⸣ they used to withhold. And Allah is the ⸢sole⸣ inheritor of the heavens and the earth. And Allah is All-Aware of what you do. (3:180)

اس آیت میں **بخل کی مذمت** اور اس پر وعید مذکور ہے۔اس میں اس بخیل کا ذکر ہے جو اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا حتیٰ کہ اس میں سے فرض زکوۃ بھی نہیں نکالتا۔ آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ زمین و آسمان کی جو چیز بھی کوئی مخلوق استعمال کر رہی ہے وہ دراصل **اللہ کی ملکیت** ہے اور اس پر مخلوق کا تصرف اور قبضہ عارضی ہے۔پھر ہر ایک نے اپنے مقبوضات سے بہر حال ایک دن بے دخل ہو جانا ہے اور آخر کار سب کچھ اللہ ہی کے پاس رہ جانے والا ہے۔لہٰذا عقل مند ہے وہ جو اس عارضی قبضہ کے دوران میں اللہ کے مال کو اللہ کی راہ میں دل کھول کر صرف کرتا ہے۔اور سخت بیوقوف ہے وہ جو بخل کا مظاہرہ کرتے ہوئے **انفاق فی سبیل اللہ** نہیں کرتا۔

بخل سے کیا مراد ہے؟

بخل کے شرعی معنی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو اس کو خرچ نہ کرے۔اسی لئے بخل حرام ہے اور اس پر جہنم کی وعید ہے۔جن مواقع پر خرچ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے وہ اس بخل میں داخل نہیں البتہ عام معنوں میں

اس کو بھی بخل کہہ دیا جاتا ہے، اس قسم کا بخل حرام نہیں، مگر خلاف اولیٰ ہے۔ بخل ہی کے معنی میں ایک دوسرا لفظ بھی احادیث میں آیا ہے، یعنی شح۔ اس کی تعریف یہ ہی کہ اپنے ذمہ جو خرچ کرنا واجب تھا وہ ادا نہ کرے، اس پر مزید یہ کہ مال بڑھانے کی حرص میں مبتلا رہے، تو وہ بخل سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یعنی شح و ایمان کسی مسلمان کے قلب میں جمع نہیں ہوسکتے۔ (قرطبی)

بخل کی جو سزا اس آیت میں ذکر کی گئی ہے کہ قیامت کے روز جس چیز کے دینے میں بخل کیا اس کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تفسیر رسول اللہؐ نے اس حدیث کے اندر فرمائی ہے:

حدیث: حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ نے کوئی مال عطا فرمایا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے روز یہ مال ایک سخت زہریلا سانپ بن کر اس کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں تیرا سرمایہ ہوں، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ (نسائی از تفسیر قرطبی)

دسواں رکوع: لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا۔۔۔ (آل عمران۔181)

جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ (الحدید:11) کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے! تو کچھ لوگوں نے کہا کہ اے محمدؐ تیرا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو قرض دینے کا عنوان اس لئے دے دیا گیا کہ جس طرح قرض کی ادائیگی ہر شریف آدمی کے لئے ضروری اور یقینی ہوتی ہے، اسی طرح جو صدقہ انسان دیتا ہے اس کی جزاء اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ ایسی قرار دیتے ہیں جیسے کسی کا قرض دینا ہو، جو شخص اللہ تعالیٰ کو کائنات کا خالق اور مالک جانتا ہے، اس کو ان الفاظ سے کبھی وہ شبہ نہیں ہو سکتا۔

حضورؐ کو تسلّی

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ۔ (آل عمران۔184)

پھر اگر یہ لوگ تم کو سچا نہ سمجھیں تو تم سے پہلے بہت سے پیغمبر کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آچکے ہیں اور لوگوں نے ان کو بھی سچا نہیں سمجھا۔ (آل عمران۔184)

Then if they deny you, [O Muhammad] – so were messengers denied before you, who brought clear proofs and divine books and the enlightening Scriptures. (3:184)

کل نفس ذائقۃ الموت

موت وحیات، یوم حساب، اصل کامیابی

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔(آل عمران-185)

ہر ذی روح نے موت کا مزہ چکھنا ہے، پھر تمہارے اجر پورے کے پورے قیامت کے دن ہی دیئے جائیں گے، پس جو کوئی دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ واقعۃً کامیاب ہو گیا، اور دنیا کی زندگی دھوکے کے مال کے سوا کچھ بھی نہیں۔(آل عمران-185)

Death is inevitable

Every soul will taste death. And you will only receive your full reward on the Day of Judgment. Whoever is spared from the Fire and is admitted into Paradise will ˹indeed˺ successful, whereas the life of this world is no more than the delusion of enjoyment. (3:185)

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ موت سے مفر نہیں۔اس آیت میں ہر ذی روح کیلئے اطلاع عام ہے کہ اس کو ایک دن موت آنی ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ جو(مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے۔اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔(سورۃ الرّحمٰن-26-27)

دوسرا یہ کہ ایک دن یوم حساب قائم ہو گا تاکہ جزاء و سزا کا عمل مکمل کیا جاسکے۔دنیا میں جس نے اچھا یا برا جو کچھ کیا اس کو اس کا آخرت میں پورا بدلہ دیا جائے گا۔ہر حقدار کو اس کا حق دیا جائے گا۔ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے گی۔

تیسرا کامیابی کا معیار بتایا گیا کہ کامیاب اصل میں وہ ہے جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں جہنم سے دور اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔

چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے، جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا، وہ خوش نصیب ہے اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا وہ ناکام اور نامراد ہے۔

پانچواں یہ کہ اس دنیا میں انسانی زندگی میں جو نشیب و فراز آتے ہیں اور جو نتائج رونما ہوتے ہیں انہی کو اگر کوئی شخص اصلی اور آخری نتائج سمجھ بیٹھے اور انہی پر حق و باطل، فلاح و خسران، اور کامیابی و ناکامی کے فیصلے کا مدار رکھے تو در حقیقت وہ سخت دھوکہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہاں کسی پر نعمتوں کی بارش ہونا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ وہی حق پر بھی ہے اور اسی کو اللہ کی بارگاہ میں قبولیت بھی حاصل ہے۔ اور اسی طرح یہاں کسی کا مصائب و مشکلات میں مبتلا ہونا بھی لازمی طور پر یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ باطل پر ہے اور نہ ہی اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ بارگاہ الٰہی کا دھتکارا ہوا اور مردود ہے۔ اکثر اوقات دنیا کے نتائج ان آخری نتائج کے برعکس ہوتے ہیں جو حیات ابدی کے مرحلہ میں پیش آنے والے ہیں۔ اور اصل اہمیت اور اعتبار آخری نتیجہ اور انجام کا ہی ہے۔

ایمان کے بعد آزمائش ضرور ہوگی

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (آل عمران۔185)

(اے اہل ایمان) تمہارے مال و جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی۔ تمہیں ان لوگوں سے جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور ان لوگوں سے جو شرک میں مبتلا ہیں بہت سی تکلیف دہ باتیں سننے کو ملیں گی۔ اگر ان سب حالات میں تم صبر اور خدا ترسی کی روش پر قائم رہو گے تو یہ بڑے حوصلہ اور ہمت کا کام ہے۔ (آل عمران۔185)

˹After embracing faith˺ You will surely be tested in your wealth and yourselves, and you will certainly hear many hurtful words from those who were given the Scripture before you and ˹from˺ those who associate others with Allah. But if you are patient and mindful ˹of Allah˺—surely this is a resolve to aspire to. (3:185)

This verse explains that Muslims should not lose their self-control in response to disgraceful behaviour. Any insulting behaviour should not provoke Muslims into adopting a

posture either inconsistent with truth and justice or with dignity, high standards and moral values of Islam.

یہ آیت نبی اکرم ﷺ، اسلام اور اہل اسلام کے خلاف مختلف انداز سے طعن و تشنیع اور گستاخانہ رویے کے جواب میں نازل ہوئی۔ مدینہ میں آنے کے بعد منافقین بالخصوص ان کا رئیس عبداللہ بن ابی آپؐ کی شان میں استخفاف کرتا رہتا تھا۔ آپؐ کے مدینہ آنے سے قبل اہل مدینہ اسے اپنا سردار بنانے لگے تھے اور اس کے سر پر تاجِ سیادت رکھنے کی تیاری مکمل ہو چکی تھی کہ آپؐ کے آنے سے اس کا یہ سارا خواب بکھر کر رہ گیا، جس کا اسے شدید صدمہ تھا چنانچہ انتقام کے طور پر بھی یہ شخص آپ کے خلاف کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ اس کے علاوہ قریش مکہ اور مخصوص اہل کتاب کا رویہ اور پروپیگنڈہ مہم بھی آپؐ اور اہل ایمان کے خلاف جاری رہتی تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کو عفوودرگزر اور صبر اور تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی جارہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ داعیانِ حق کا اذیتوں اور مشکلات سے دوچار ہونا اس راہ حق کے ناگزیر مرحلوں میں سے ہے اور اس کا علاج صبر فی اللہ، استعانت باللہ اور رجوع الی اللہ کے سوا کچھ نہیں۔

حق گوئی اور کلمہ حق: علماء کا فرض منصبی

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ۔۔۔ (آل عمران۔187)

اور یاد کرو جب اللہ نے ان سے عہد لیا جنہیں کتاب عطا فرمائی کہ تم ضرور اسے سب لوگوں سے بیان کروگے اور اسے چھپاؤ گے نہیں۔۔۔(آل عمران۔187)

Obligation of Scholars: Reveal the truth

˹Remember, O Prophet˺ when Allah took the covenant of those who were given the Scripture to make it known to people and not hide it.... (3:187)

قرآن کی اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ علماء اہل کتاب سے اللہ تعالی نے عہد (میثاق) لیا۔ اس عہد میں ان کو یہ تاکیدی حکم دیا گیا تھا کہ تم آسمانی ہدایت کو ضرور لوگوں کے سامنے پوری طرح کھول کر بیان کروگے اور اس کو لوگوں سے ہرگز نہ چھپاؤ گے۔

ان آیات میں علماء اہل کتاب کے دو گناہ بیان کئے گئے۔

1۔ان کو یہ حکم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکامات آئیں ان کو سب کے سامنے بے کم وکاست بیان کریں گے اور کسی حکم کو چھپائیں گے نہیں، مگر انہوں نے اپنی دنیوی اغراض اور طمع نفسانی کی خاطر اس عہد کی پروانہ کی، بہت سے احکام کو لوگوں سے چھپالیا۔

2۔دوسرے یہ کہ وہ نیک عمل نہیں کرتے تھے مگر چاہتے تھے کہ بغیر عمل کے ان کی تعریف کی جائے۔

قرآن کی مذکورہ آیت میں کتمان سے مراد اس کے احکامات کو دوسروں کے سامنے بیان نہ کرنا ہے۔امت مسلمہ بھی اگر ایسا کرے کہ وہ قرآن کو دوسروں تک نہ پہنچائے بلکہ اس کے احکامات کو چھپائے تو یہ اس کے لیے قرآن کے کتمان کے ہم معنیٰ ہو گا۔اس قسم کا کتمان جس طرح علماء اہل کتاب کیلئے اللہ کے نزدیک اپنی اصل حیثیت کو کھونے کے مترادف تھا،اسی طرح یہ کتمان امت محمدیؐ کے لیے بھی اس کی اصل حیثیت کو کھونے کے ہم معنیٰ ثابت ہو گا۔ بقول شاعـــر:

؎ وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

اس آیت میں جس حکم کا ذکر کیا گیا ہے اس کا ایک مطلب اللہ کی ہدایت کو دوسرے انسانوں تک پہنچانا ہے۔یہ عین وہی حکم ہے جس کو امت مسلمہ کی نسبت سے شہادت علی الناس (البقرہ:143) میں بیان کیا گیا۔شہادت علی الناس یا دعوت علی الناس کی یہی ذمے داری اب امت مسلمہ کے اوپر ہے۔

حـــدیث: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت کی روسے علم دین کا چھپانا حرام ہے، مگر یہ حرمت اس کتمان دین یا کتمان حق کی ہے جو دنیاوی یامالی مفادیا طمع کی وجہ سے کیا جائے۔ لیکن بعض اوقات کسی حکم کے اظہار سے عوام کی غلط فہمی اور فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے اس خطرہ کے پیش نظر مصلحتاً اگر کوئی حکم پوشیدہ رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

جھوٹی شہـــرت چـاہنے والوں کی مذمت

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَ لِيْمٌ۔ (آل عمران۔188)

وہ لوگ جو اپنے مصنوعی اعمال پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کیے ان پر بھی ان کی تعریف وستائش کی جائے۔ آپ انہیں ہر گز عذاب سے نجات پانے والا نہ سمجھیں، ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔(آل عمران-188)

Greed to become famous

Do not let those who rejoice in their misdeeds and love to take credit for what they have not done think they will escape torment. They will suffer a painful punishment. (3:188)

Some people expect praise to be lavished upon them for being God-fearing, for being generous, for being pious, even though the facts might be the reverse of what they claimed. They even love to be praised for what they have not done or performed.

اس آیت میں ایسے لوگوں کے لئے سخت وعید ہے جو اپنے کارناموں پر خوش ہی نہیں ہوتے بلکہ چاہتے ہیں کہ ان کے کھاتے میں وہ کارنامے بھی درج یا ظاہر کئے جائیں جو انہوں نے نہیں کئے ہوتے۔ یہ بیماری جس طرح عہد رسالت کے بعض لوگوں میں تھی جن کیلئے اس آیت کا نزول ہوا، اسی طرح آج بھی جھوٹی شہرت کے طلبگار، جاہ پسند قسم کے لوگوں اور پروپیگنڈے کے ذریعے سے بننے والے لیڈروں میں یہ بیماری عام ہے، چاہے وہ سیاسی رہنما ہوں یا مذہبی رہنما مثلاً وہ اپنی تعریف میں یہ سننا چاہتے ہیں کہ وہ قوم کے ساتھ بڑے مخلص ہیں، بڑے متقی ہیں، دیندار اور پارسا ہیں خادم دین ہیں، حامی شرع متین ہیں، مصلح ومزکی ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں یا وہ اپنے حق میں یہ ڈھنڈورا پٹوانا چاہتے ہیں کہ فلاں سیاسی لیڈر بڑے ایثار پیشہ، مخلص اور دیانت دار رہنما ہیں اور انہوں نے قوم وملت کی بڑی خدمت کی ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آج کے سوشل میڈیا کے دور میں یہ بیماری اور بھی بڑھ چکی ہے۔

اس آیت میں یہ سبق دیا گیا کہ ایک مسلمان کو مصنوعی شہرت کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہیئے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کامیابی کیلئے ضروری نہیں کہ انسان کا نام ہو اور تاریخ میں اس کے تذکرے ہوں۔ بہت سے انبیائے کرام ایسے بھی گذرے ہیں جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا حالانکہ وہ دنیا و آخرت میں اعلیٰ درجے کے کامیاب ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ورسلاً لم نقصصهم عليك۔ اور بہت سے رسول ایسے ہیں جن کے واقعات ہم نے آپ کو نہیں سنائے۔(النساء-164) لہٰذا اپنے تذکرے اور نام کی پرواہ کئے بغیر کام کرتے رہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام

الشکور بھی ہے یعنی وہ قدردان ذات ہے۔ وہ اپنے بندوں کی قدر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندے کی قدردانی اور حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ اپنے بندے کے تھوڑے عمل پر بھی راضی ہو جاتے ہیں اور اس کی بخشش فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی حوصلہ افزائی کیلئے اس کو ایک نیکی کرنے پر کم از کم دس نیکیوں کا اجر و ثواب عطا فرماتے ہیں، یہی نہیں بلکہ نیک اعمال کرنے پر گناہ بھی معاف فرماتے ہیں۔ یقین رکھیئے! وہ قدردان ذات آپ کی محنت اور کام کو دیکھ رہی ہے، لہٰذا اسی سے اجر کی امید رکھیں دنیا والوں کی جھوٹی تعریف کے پیچھے نہ پڑھیں۔

حقیقی اختیار اور قدرت کی مالک ہستی

وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (آل عمران۔189)

زمین اور آسمان کا (حقیقی) مالک اللہ ہی ہے اور اس کا اختیار اور قدرت ہر چیز پر ہے۔ (آل عمران۔189)

Controller of the Universe

Control of the heavens and earth belongs to God; God has power over everything. (3:189)

گیارہواں رکوع: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔۔۔ (آل عمران۔190)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

تخلیق کائنات میں غور و فکر کی دعوت، عقلمند اور سمجھدار لوگوں کی صفات، عذاب جہنم: حقیقی رسوائی، جامع دعائیں، قبولیت دعا، قبولیت دعا کی صورتیں، مستجاب الدعوات ہونے کا راز، اللہ کسی کا اجر ضائع نہیں فرماتے، دنیا کا سامان تعیش دلیل نجات نہیں، اللہ کی مہمان نوازی، ابرار سے کون لوگ مراد ہیں؟ اہل کتاب کے اچھے لوگوں کی تعریف، صبر اور ثابت قدمی۔

سورۃ آل عمران کے آخری رکوع میں دس آیات ہیں۔

تخلیق کائنات میں غور و فکر کی دعوت

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیَاتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (آل عمران۔190)

بے شک آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(آل عمران۔190)

Indeed, in the creation of the heavens and the earth and the alternation of the day and night there are signs for people of reason.

اس آیت میں اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت وطاقت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ جو لوگ ان نشانیوں پر یعنی تخلیق کائنات پر غور وفکر اور تدبّر کرتے ہیں انہیں کائنات کے خالق اور اس کے اصل فرمانروا کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اتنی طویل وعریض کائنات کا یہ منظم نظام، جس میں ذرہ برابر خلل واقع نہیں ہوتا، یقیناً اس کے پیچھے ایک ذات ہے جو اسے چلا رہی ہے اور اس کی تدبیر کر رہی ہے اور وہ ہے اللہ کی ذات۔

جب انسان نظام کائنات کا بغور مشاہدہ کرتا ہے تو یہ حقیقت اس پر کھل جاتی ہے کہ یہ سراسر ایک حکیمانہ نظام ہے۔ اور یہ بات سراسر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں اللہ نے اخلاقی حس پیدا کی ہو، جسے تصرف کے اختیارات دیے ہوں، جسے عقل وتمیز عطا کی ہو، اس سے اس کی حیات دنیا کے اعمال پر باز پرس نہ ہو، اور اسے نیکی پر جزا اور بدی پر سزا نہ دی جائے۔ اس طرح نظام کائنات پر غور وفکر کرنے سے انہیں آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے اور وہ خدا کی سزا سے پناہ مانگنے لگتے ہیں۔

اگلی آیات میں اہل دانش کی صفات کا تذکرہ ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ اِنَّ فِیْ خَلَقِ السَّماوَاتِ سے لے کر آخر سورت تک آیات نبی کریم ﷺ رات کو جب تہجد کے لئے اٹھتے تو پڑھتے اور اس کے بعد وضو کرتے۔(بخاری، مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ (جو کہ امّ المومنین بھی تھیں) کے گھر رات گزاری۔ حضور ﷺ جب آئے تو تھوڑی دیر تک آپؐ اپنے اہل خانہ سے گفتگو کرتے رہے پھر سو گئے۔ جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپؐ اٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے آیت ان فی خلق السموات سے آخر سورت تک آیات کی تلاوت فرمائی۔ پھر اٹھے، مسواک کیا، وضو کیا اور تہجد کی نماز، وتر ادا کئے۔ اس کے بعد حضرت بلال کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں ادا کیں پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔(بخاری)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے سورۃ آل عمران کی آخری آیات کی تلاوت کے بعد یہ دعا پڑھی: اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی سمعی نورا وفی بصری نورا وعن یمینی نورا وعن شمالی نورا ومن بین

یدی نورا ومن خلفی نورا ومن فوقی نورا ومن تحتی نورا واعظم لی نورا یوم القیامتہ۔(بحوالہ ابن کثیر)

اس کے بعد والی تین آیات میں بھی مغفرت اور قیامت کے دن کی رسوائی سے بچنے کی دعائیں ہیں۔

سمجھدار لوگوں کی صفات

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔(آل عمران۔191)

وہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں، (کہتے ہیں) اے ہمارے رب تونے یہ بے فائدہ نہیں بنایا تو سب عیبوں سے پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ آل عمران۔191

⸢They are⸣ those who remember Allah while standing, sitting, and lying on their sides, and reflect on the creation of the heavens and the earth ⸢and pray⸣, "Our Lord! You have not created ⸢all of⸣ this without purpose. Glory be to You! Protect us from the torment of the Fire.

اس آیت میں اہل ایمان کی تعریف اور مدح بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ اٹھتے بیٹھتے لیٹتے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تونے اپنی مخلوق کو عبث اور بیکار نہیں بنایا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ عطا فرمائے اور بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دے۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے عمران بن حصین سے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی، یعنی کسی حالت میں اللہ ربّ العالمین کے ذکر سے غافل مت رہو دل میں خاموشی سے بھی اللہ کا ذکر کرو اور اور زبان کے الفاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔

حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن کا قول ہے کہ غور و فکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا عکس ڈالے گا۔ اور پھر فرماتے: اذا المراء کانت لہ فکرۃ ففی کل شئی لہ عبرۃ۔ یعنی جس انسان کو باریک بینی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑ گئی اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ سے منسوب قول ہے فرماتے ہیں خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا اللہ کا ذکر اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہہ ہو۔

لقمان حکیمؒ کا نصیحت آموز مقولہ ہے کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو اور اسی قدر غور و فکر اور دور اندیشی کی عادت زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر راستے انسان پر وہ کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچا دیں گے۔

حضرت وہب بن منبہؒ فرماتے ہیں جس قدر مراقبہ اور تدبّر زیادہ ہو گا اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہو گی اور جتنی سمجھ زیادہ ہو گی اتنا علم نصیب ہو گا اور جس قدر علم زیادہ ہو گا نیک اعمال بھی بڑھیں گے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزو جل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر افضل عبادت ہے۔

حضرت مغیث اسودؒ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ لوگو قبرستان باقاعدہ جایا کرو تا کہ تمہیں انجام کا خیال پیدا ہو پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ تم اللہ کے سامنے کھڑے ہو گے اور اس وقت کو یاد کرو جب ایک جماعت کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہو گا اور ایک جماعت کو جنت میں جانے کا حکم ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں فرماتے: اے اجڑے ہوئے گھر! تمہارے رہنے والے کہاں گئے؟ پھر خود فرماتے سب زیر زمین چلے گئے سب فنا کا جام پی چکے۔ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہمیشہ کی مالک بقاء ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس کا ارشاد ہے دو رکعتیں جو خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کی جائیں اس تمام رات کی نماز سے افضل ہیں جس میں توجہ نہ ہو۔ حضرت عامر بن قیس فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہ سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی اور تو غور فکر اور تدبّر میں ہے۔ سیدنا حضرت عیسیٰؑ سے منسوب قول ہے کہ: اے ابن آدم! اے ضعیف انسان! جہاں کہیں تو ہو خوف خدا رکھو۔ دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ، مسجد کو اپنا گھر بنا لو۔ اپنی آنکھوں کو رونا یعنی ندامت کے آنسو سکھا، اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا، اپنے دل کو غور و فکر کرنے والا بنا، کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔

امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رو دیئے لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور فکر کیا اور عبرت حاصل کی جب نتیجہ پر پہنچا تو میری امنگیں ختم ہو گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان آیات میں ہر شخص کیلئے عبرت ونصیحت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی مدح وثنا بیان کی جو مخلوقات اور کائنات سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت حاصل کریں۔ اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جو قدرت کی نشانیوں پر غور نہ کریں۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر)

عـذاب جہنّم: حقیقی رسوائی

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ (آل عمران۔192)

اے ہمارے پروردگار! جسے تو نے دوزخ میں داخل کیا اسے در حقیقت بڑی رسوائی میں ڈال دیا، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (آل عمران۔192)

Fire of Hell: A Place of Disgrace

Our Lord! Indeed, those You commit to the Fire will be disgraced! And the wrongdoers will have no helpers.

جامع دعـائیں

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔ (آل عمران۔193)

اے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے سے سنا جو ایمان کیلئے پکار رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ سو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار! ہماری برائیوں کو معاف فرما اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کے ساتھ اٹھا۔ (آل عمران۔193)

Comprehensive Prayers / Duas

Our Lord! We have heard the caller to belief, ˹proclaiming,˺ 'Believe in your Lord ˹alone˺,' so we believed. Our Lord! Forgive our sins, absolve us of our misdeeds, and allow us ˹each˺ to die as one of the virtuous. (3:193)

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ (آل عمران۔194)

اے ہمارے رب! اور ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس کا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر، بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (آل عمران۔194)

Our Lord! Grant us what You have promised us through Your messengers and do not disgrace us on Judgment Day—for certainly You never fail in Your promise. (3:194)

یعنی انہیں اس بات میں تو شک نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کرے گا یا نہیں۔ البتہ تردد اس امر میں ہے کہ آیا ان وعدوں کے مصداق ہم بھی قرار پاتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ان وعدوں کا مصداق ہمیں بنا دے اور ہمارے ساتھ ان وعدوں کو پورا فرما۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو ہم پیغمبروں پر ایمان لا کر دشمنان اسلام کی نظر میں تضحیک اور طعن و تشنیع کا ہدف بنے ہی ہیں، کہیں خدانخواستہ ہم قیامت والے دن بھی تیری بارگاہ میں نیک اعمال کے قبول نہ ہونے کی وجہ سے رسواء نہ ہو جائیں۔

قبولیت دعا

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ۔۔۔ (آل عمران۔195)

تو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی۔۔۔ (آل عمران۔195)

Acceptance of Supplications

Their Lord accepted their supplications… (3:195)

قبولیت دعا کی صورتیں:

دعا کی قبولیت کی تین صورتیں ہیں:

1۔ جو چیز دعا میں مانگی گئی وہی چیز مل جاتی ہے۔

2۔ دعا کے نتیجے میں کوئی مصیبت یا آفت ٹل جاتی ہے۔

3۔ دنیا میں کچھ نہیں ملتا بلکہ وہ دعا آخرت کے دن کے لیے محفوظ کر دی جاتی ہے جو کہ آخرت میں بندے کے کام آئیگی۔

دعا کے آداب و شرائط

قبولیت و آدابِ دعا سے متعلق پہلا ادب اللہ رب العزت کے فرمان فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ میں مذکور ہے کہ ایک بندہ مومن کو ایمان رکھنا چاہیئے کہ وہ ذات ہمہ وقت ہمارے قریب ہے۔ اتنے قریب ہے کہ اسے ہماری ہر حاجت وضرورت کا علم ہے، ہمارے نفع و نقصان کو ہم سے بھی بہتر جانتا ہے اور ہماری ہر مشکل کو آسان کرنے پر قادر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو پکارنے اور اس سے دعا مانگنے کا دوسرا ادب یہ ہے کہ دعا اس یقین سے مانگیں کہ مولیٰ قریب ہے، ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ ہمارے قریب ہے، اس لیے وہ ہماری حاجت کا ہم سے بھی بہتر علم رکھنے والا ہے۔

دعا کا تیسرا ادب یقین و توکل ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے ابن آدم! جب تک تو مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور مجھ سے بخشش اور مغفرت مانگتا رہے گا اور قبولیت کی امید رکھتا رہے گا تو جو بھی گناہ و لغزش تم سے سرزد ہوتی رہے، میں تمہاری امید اور دعا کے عمل کے باعث تجھے بخشتا رہوں گا۔ حدیث قدسی میں آتا ہے:

یٰبنیَ آدَم! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ السَّمَاء ثُمَّ اسْتَغْفِرْتَنِيْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَا أُبَالِيْ

اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان تک بھی پہنچ جائیں اور پھر بھی تو مجھ سے استغفار کرے تو مجھے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ تیرے گناہ اتنے زیادہ ہوگئے، پھر بھی میں تمہیں بخش دوں گا۔

.حدیث: مَنْ فُتِحَ لَهٗ مِنْکُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهٗ بَابُ الرَّحْمَةِ۔

تم میں سے جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا، پس اس کے لیے رحمت کا دروازہ کھول دیا گیا۔

یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور کرتے رہنے کی توفیق دے دی گئی کہ وہ کبھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا نہ چھوڑے اور مایوسی کو قریب نہ لائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے پیغام رحمت ہے کہ اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دعا کا دروازہ جس پر کھل گیا گویا اللہ نے اس پر رحمت کے سب دروازے کھول دیئے۔

.ارشاد فرمایا: وَمَا سُئِلَ اللّٰہ شَیْئًا یُعْطَی أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ أَنْ یُسْئَلَ العَافِیَّةَ۔

اور جتنی چیزیں بھی اللہ رب العزت سے مانگی جاتی ہیں ان میں سب سے بہتر چیز جو اللہ کو محبوب ہے، جس پر اللہ خوش ہوتا ہے وہ معافی اور عافیت ہے۔

ہم اپنی روزمرہ زندگی میں مختلف خواہشات و تمناؤں کی دعائیں کرتے ہیں، ان سب چیزوں میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ دعا یہ ہے کہ ایک گناہگار اللہ سے معافی اور بخشش طلب کرلے۔

دعا دافع البلاء ہے: إِنَّ الدُّعَاءَ يَنْفَعُ مِمَّا نَزَلَ وَمِمَّا لَمْ يَنْزِلْ فَعَلَيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِالدُّعَاء

دعا اس مصیبت کے لیے بھی فائدہ مند ہے جو اتر چکی ہے اور اس کے لیے بھی فائدہ مند ہے جو ابھی نہیں اتری۔ یعنی جن مصیبتوں میں ہماری زندگی گھر چکی ہے، ان کا خاتمہ بھی دعا کرتی ہے اور جو مصیبتیں ابھی نہیں اتریں اور جن کے بارے میں ہمیں نہیں معلوم کہ کیا حادثہ کب اور کہاں ہو جائے، دعا ان آنے والی تمام مصیبتوں کو بھی ختم کر دیتی ہے۔

خوشحالی کی دعا کی تاثیر: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَّسْتَجِيْبَ اللهُ لَهُ عِندَالشَّدَائِدِ وَالكُرَبِ فَاليُكْثِرِ الدُّعَاء فِيْ الرَّخَاء ۔ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ مشکلات اور تکالیف کے وقت اس کی دعا قبول فرمائے تو اسے چاہیئے کہ وہ خوشحالی کے وقت میں اللہ سے زیادہ دعا کیا کرے۔

مستجاب الدعوات ہونے کا راز

صلہ رحمی سے دعائیں قبول کرتی ہیں۔

حرام خوری سے پرہیز

مستجاب الدعوات ہونے کا راز حضور ﷺ نے رزقِ حلال اختیار کرنے اور رزقِ حرام سے پرہیز کرنے کو قرار دیا۔ جس شخص کا رزق حلال ہے، اس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جس کا رزق حرام ہے، اس کی دعائیں رد کر دی جاتی ہیں۔

وقتِ دعا غفلت سے اجتناب

مستجاب الدعوات ہونے کے تیسرے راز کا تعلق وقتِ دعا سے ہے۔ کچھ اوقات میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

عجلت سے اجتناب

میری دعا کب قبول ہو گی؟ اب تک کیوں نہیں ہوئی؟ یہ گلہ و شکوہ دعاؤں کی قبولیت کو روک دیتا ہے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنے کا وبال: دعاؤں کا قبول نہ ہونا بھی ایک عذاب اور سزا ہے

لَيُوْشِكَنَّ اُللهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ ثُمَّ يَدْعُوْا خِيَارُكُمْ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔

اللہ کسی کا اجر ضائع نہیں فرماتے

۔۔۔أَنِّی لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ۔ (آل عمران۔195)

(اور رب نے فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا تم آپس میں ایک ہو۔(آل عمران۔195)

So their Lord responded to them: “I will never deny any of you—male or female—the reward of your deeds. Each of you is from the other. (3:195)

All humans are equal in the sight of God. God does not have separate criteria for judging the male and the female.

اس آیت میں ذکر کیا گیا کہ تم سب انسان ہو اور میری نگاہ میں یکساں ہو۔ میرے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ عورت اور مرد، کالے اور گورے، اونچ اور نیچ کے لیے انصاف کے اصول اور فیصلے کے معیار الگ الگ ہوں۔

آیت کے اندر یہ بھی نکتہ بیان کیا گیا ہے کہ مرد اور عورت جب عمل میں برابر ہوں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک انعام میں بھی برابر ہوتے ہیں۔ بعضکم من بعض کا مطلب یہ کہ مرد اور عورت جنس کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اللہ تعالی نے اس مساوات کی وجہ بھی یہ بتائی کہ تم ایک دوسرے سے ہو، مرد کی ماں عورت ہوتی ہے اور عورت کا باپ مرد ہوتا ہے، بشریت میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے ان کے درمیان ایک دوسرے پر فضیلت صرف اعمال کی وجہ سے ہے۔ اس تعبیر کا ایک اور مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ایک ہی شاخ سے نکلے ہیں، ایک دوسرے کی جوڑی ہیں۔

روایت ہے کہ بعض غیر مسلم نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰؑ عصا اور ید بیضا لائے تھے۔ عیسیٰؑ اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے تھے۔ دوسرے پیغمبر بھی کچھ نہ کچھ معجزے لائے تھے۔ آپ فرمائیں کہ آپ کیا لائے ہیں؟ اس پر آپ نے اس رکوع کے آغاز سے یہاں تک کی آیات تلاوت فرمائیں اور ان سے کہا میں تو یہ لایا ہوں۔

دنیا کا سامان تعیش دلیل نجات نہیں

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِؕ۔ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ۔ (آل عمران۔196۔197)

اے نبیؐ! دنیا کے ملکوں میں اللہ کے نافرمان لوگوں کا (عیش و عشرت کے ساتھ) چلنا پھرنا تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے، پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا جو بدترین جائے قرار ہے۔ (آل عمران۔196-197)

Let not the free disposal (and affluence) of the disobedient, unbelievers throughout the land deceive you. This is only a brief enjoyment, after which Hell will be their home- a miserable resting place! (3:196)

اس آیت میں خطاب اگرچہ نبی اکرم ﷺ سے ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے۔ شہروں میں چلنے پھرنے سے مراد دنیا کی فراوانی، عیاشی کی آمد ورفت، سیر اور وسعت مال ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے، اس سے اہل ایمان کو دھوکا میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہیے، جو ایمان میں محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی عذاب ہے۔

اگلی آیت میں دنیا کو متاع قلیل کہا گیا۔ یعنی دنیا کے وسائل، آسائش اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، درحقیقت متاعِ قلیل ہی ہیں کیونکہ بالآخر انہیں فنا ہونا ہے اور ان کے بھی فنا ہونے سے پہلے وہ حضرات خود فنا ہو جائیں گے، جو ان کے حصول کی کوششوں میں اللہ کو بھی فراموش کئے رکھتے ہیں اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدوں کو بھی پامال کرتے ہیں۔

اللہ کی مہمان نوازی

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ۔ (آل عمران۔198)

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمان نوازی ہو گی اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لیے وہی سب سے بہتر ہے۔ (آل عمران۔198)

Hospitality and Entertainment from Allah

But those who are mindful of their Lord will be in Gardens under which rivers flow, to stay there forever - a hospitality

and entertainment from Allah Himself, And Allah's reward is best for the virtuous. (3:198)

جو لوگ تقویٰ اور نیک زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونگے۔ گو دنیا میں ان کے پاس فاسق وفاجر لوگوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فروانی نہ رہی ہوگی، مگر وہ جنت میں اللہ کے مہمان ہونگے جو تمام کائنات کا خالق اور مالک ہے اور وہاں ان ابرار (نیک لوگوں) کو جو اجر وصلہ ملے گا، وہ اس سے بہتر ہوگا جو دنیا میں اللہ کے نافرمانوں کو عارضی طور پر ملتا ہے۔

ابرار سے کون نیک لوگ مراد ہیں؟

ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انہیں ابرار اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے۔ جس طرح تیرے ماں باپ کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے۔ یہی روایت حضرت عبداللہ بن عمر سے بھی موقوفاً مروی ہے۔ حضرت حسن فرماتے ہیں ابرار وہ ہیں جو کسی کو ایذاء نہ دیں، حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ہر شخص کیلئے خواہ نیک ہو خواہ بد موت اچھی چیز ہے اگر نیک ہے تو جو کچھ اس کیلئے اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے اور اگر بد ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کے گناہ جو اس کی زندگی میں بڑھ رہے تھے اب ان کا بڑھنا ختم ہوا پہلے کی دلیل آیت: وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کے لیے وہی سب سے بہتر ہے۔ (آل عمران۔198)۔ اور دوسری کی دلیل آیت: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔ (آل عمران۔178)۔ یعنی وہ لوگ جو انکار و سرکشی کی روش پر چل رہے ہیں وہ ہماری ڈھیل دینے کو اپنے حق میں بہتر نہ خیال کریں۔ یہ ڈھیل ان کے گناہوں میں اضافہ کر رہی ہے اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہیں۔ (بحوالہ ابن کثیر)

اہل کتاب کے اچھے لوگوں کی تعریف

وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ (آل عمران۔199)

اور بے شک اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کو مانتے ہیں، اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف بھیجی گئی ہے اور اُس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس سے پہلے خود ان کی طرف بھیجی گئی تھی، ان کے دل اللہ کے حضور جھکے رہتے ہیں۔

اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ نہیں دیتے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ حساب چکانے میں دیر نہیں لگاتا۔ (آل عمران۔199)

Praise for the people of Scripture

Indeed, there are some among the People of the Book who truly believe in Allah and what has been revealed to you and what was revealed to them. They humble themselves before Allah—never trading Allah's revelations for a fleeting gain. Their reward is with their Lord. Surely Allah is swift in reckoning. (3:199)

صحیح بخاری مسلم میں ہے کہ نجاشی کے انتقال کی خبر رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو دی اور فرمایا کہ تمہارا بھائی حبشہ میں انتقال کر گیا ہے اور اس کی نماز جنازہ ادا کرو۔ پھر میدان میں جا کر صحابہ کی صفیں درست فرمائیں اور آپؐ نے نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب نجاشی کی وفات ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کیلئے استغفار کرو۔ بعض لوگوں نے کہا دیکھئے حضورؐ ہمیں ایک نصرانی کیلئے استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مرا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب اہل کتاب یکساں نہیں۔ اہل کتاب میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خوف خدا رکھتے ہیں۔ آیات الٰہی پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان میں تحریف نہیں کرتے۔ ان کے اندر عاجزی اور گریہ زاری بھی موجود ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت جعفر بن ابو طالب نے جب نجاشی کے دربار میں امراء سلطنت اور علماء نصاریٰ کے سامنے سورۃ مریم کی تلاوت کی جس کے نتیجے میں سب پر رقت طاری ہوئی تو سب حاضرین دربار مع بادشاہ رو دیئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔

بخاری مسلم میں حضرت ابو موسیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے جن میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر ایمان لایا۔

صبر اور ثابت قدمی

يَآ اَيُّـهَا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِـرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْاۚ وَاتَّقُوا اللّـٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ آل عمران۔200

اے ایمان والو! صبر کرو اور ثابت قدمی دکھاؤ اور خدمت دین کیلئے کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ۔ (آل عمران۔200)

O, You who have believed! Show endurance, be steadfast; be ready; always be mindful of God, so that you may be successful. (3:200)

اس آیت میں چار چیزوں کی تاکید کی گئی ہے۔

1۔ صبر واستقامت،

2۔ثابت قدمی

3۔ مرابطہ

4۔ تقویٰ

صبر لفظی معنی روکنے کے ہیں اور اصطلاح قرآن وسنت میں نفس کو خلاف طبع چیزوں پر جمائے رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے۔

صبر کی تین قسمیں ہیں۔

1۔ صبر علی الطاعات: یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔

2۔ صبر عن المعاصی یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ نفس کیلئے کتنی ہی مرغوب ولذیذ ہوں نفس کو ان سے روکنا۔

3۔ صبر علی المصائب یعنی مصیبت وتکلیف پر صبر کرنا، حد سے زائد پریشان نہ ہونا اور سب تکلیف وراحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر صبر و تحمل کا اظہار کرنا اور نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔

مصابرت یا ثابت قدمی اسی لفظ صبر سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں ثابت قدم رہنا۔

وَرَابِطُوْا: مرابطہ کا مطلب ہے استقامت اور ثابت قدمی دکھانا۔ اللہ کے راستے میں وقت کی قربانی دینا رباط کہلاتا ہے۔

ایک نماز کے بعد بعد دوسری نماز کے انتظار کو بھی رباط کہتے ہیں۔

حدیث: رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا وما علیھا۔ اللہ کے راستے میں ایک دن کا رباط دنیا و مافیھا سے بہتر ہے۔(بخاری۔باب فضل رباط یوم فی سبیل اللہ)

حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات کو بڑھاتا ہے:

1۔تکلیف اور مشکل کے باوجود بھی کامل وضو کرنا۔

2۔دور سے چل کر مسجدوں میں آنا۔

3۔ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔یہی رباط ہے۔

حدیث میں مکارہ (یعنی سخت سردی اور مشکلات کے باوجود) مکمل وضو کرنے، مسجدوں میں زیادہ دور سے چل کر جانے اور نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار کرنے کو رباط کہا گیا ہے۔(صحیح مسلم کتاب الطہارۃ)

حضرت ابوسلمہ سے ایک دن حضرت ابوہریرہ نے پوچھا: اے میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا **شان نزول** کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا سنو جب یہ آیت نازل ہوئی تو کوئی غزوہ نہ تھا۔یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتے تھے۔ نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے پھر اللہ کا ذکر کرتے تھے انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم پانچوں نمازوں پر جمے رہو اور اپنے نفس کو اور اپنی خواہش کو روکے رکھو اور مسجدوں میں بسیرا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہی اعمال موجب ایمان ہیں۔(بحوالہ ابن کثیر)

سورہ النّساء

Chapter - 4: The Women

سورہ النّساء مدنی سورت ہے اور اس کی 176 آیات ہیں۔

Short Summary of the Surah

This Surah mainly contains principles that can unite a human society. The guidance regarding smooth running of family life and ways of settling family disputes, importance of strengthening the family unit. Rules have been prescribed for marriage and the rights of wife and husband have been apportioned fairly and equitably. The status of women in the society has been determined and the declaration of the rights of orphans has been made. Guidance for the division of inheritance, and instructions have been given to reform economic affairs. The Muslims have been enjoined to show generosity to all around them and to be free from selfishness, stinginess of mind. The ways of the purification of mind and body for the offering of Salat have been taught because it plays the most important part in building moral and social personality.

Instructions have been given for the maintenance of discipline in the Muslim Community. They have been enjoined to place their trusts and offices of trust in the custody of honest and qualified persons, and to do what is just and right, and to obey Allah and His Messenger and those among themselves entrusted with the conduct of their affairs and to turn to Allah and His Messenger for the settlement of their disputes. As such an attitude and behaviour alone can ensure consolidation, they have been

strongly warned that any deviation from this path will lead to their disintegration. The Muslims have been enjoined to observe the highest standard of justice and always stand with justice and fairness. The moral and religious condition of the people of the Book has been reviewed to teach lessons to the Muslims community. The conduct of the hypocrites has been criticized and the distinctive features of hypocrisy and true faith have been clearly marked off to enable the Muslims to distinguish between the two.

Though this Surah mainly deals with the social and moral teachings and reforms, yet due attention has been paid to the *Dawah* of Islam. The moral and cultural values of Islam have also been discussed, on the other hand, the wrong religious conceptions, and bad practices have been criticized.

سورۃ النساء کے تمہیدی موضوعات

سورۃ آل عمران کی آخری آیت تقویٰ پر ختم ہوئی ہے اور یہ سورت بھی حکم تقویٰ سے شروع ہو رہی ہے۔ اس سورت کے شروع میں میل جول یعنی حقوق العباد سے متعلق احکام ہیں۔ یتیموں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، خواتین کے حقوق، باہمی معاملات، معاشرتی تعلقات، صلح کی اہمیت۔ انسانی معاشرے میں ہر مسئلہ عدالت یا قانون کی قوت سے حل نہیں ہو سکتا۔ بیت سارے معاملات میں اخلاقی تربیت ضروری ہوتی ہے۔ بہت سارے انسانی معاشرتی حقوق کی ادائیگی کا دارومدار ادب، احترام، دلداری، ہمدردی اور قلبی خیر خواہی پر ہے، اور یہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی کانٹے میں تولی نہیں جا سکتیں، اور قانون کی زبان میں ان کی پوری تعیین مشکل ہے۔ کچھ پرائیویٹ معاملات میں پولیس مداخلت نہیں کر سکتی۔ ہر چیز پر ڈنڈے کے زور پر عمل نہیں کروایا جا سکتا۔ بہت سارے معاشرتی مسائل کا حل سوائے خوف خدا اور تقویٰ کے کچھ نہیں۔ بعض دفعہ اصلاح احوال کیلئے دوسرے فرد کی مداخلت بھی پرائیویسی میں مداخلت تصور کی جاتی ہے۔ لہٰذا ان معاملات کی اصلاح اور حقوق کی ادائیگی کے لئے سوائے خوف خدا اور خوف آخرت کے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں۔ جس کو اسلام کی اصطلاح میں تقوٰی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ تقوٰی کی طاقت حکومت اور قانون کی طاقت سے کہیں زیادہ ہے۔ یہ ان معاملات میں بھی ایک انسان کو صراط مستقیم یعنی سیدھے راستے پر رکھتا ہے جہاں دوسری تمام طاقتیں، قوت نافذہ یا انفورسمنٹ کا دائرہ کار ختم ہو جاتا

ہے۔اس لئے اس سورت کا آغاز تقوی کی ہدایت سے شروع ہوتا ہے کیونکہ آگے جو ہدایات دی جارہی ہیں ان کی مکمل پابندی تقویٰ اور خوف خدا کے بغیر ممکن نہیں۔

چوتھے پارے کا بارہواں رکوع: يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ۔۔۔ (النساء۔1)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

محبت و مودّت کا آفاقی اصول، انسانی اخوت و برادری، صلہ رحمی، یتیموں کے حقوق، نکاح کی اہمیت، بیوی کے حقوق کی ادائیگی، حق مہر کے احکامات، حق مہر کے حوالے سے عورت کی حق تلفی کی اقسام، ذہنی طور پر کمزور لوگوں کے بارے میں احکامات۔

اس سورت کے آغاز میں ہی فرمایا گیا: يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ۔۔ اے لوگو! اپنے رب کی نافرمانی سے ڈرو۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس آیت کو خطبہ نکاح میں پڑھا کرتے تھے اور خطبہ نکاح میں اس کا پڑھنا مسنون ہے۔

اس میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خطاب یایھا الناس کے ذریعہ فرمایا گیا ہے جس میں تمام انسان شامل ہیں چاہے دنیا کے جس کونے میں بستے ہوں چاہے مرد ہوں یا عورتیں۔ پھر حکم اتقوا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے لفظ رب کو اختیار کیا گیا جس میں اس حکمت کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو ذات تمہاری پرورش کی کفیل ہے اور جس کی شان ربوبیت کے مظاہر انسان اپنی زندگی کے ہر لحہ میں مشاہدہ کرتا رہتا ہے، اس کی نافرمانی اور سرکشی کس قدر خطرناک ہوگی۔

پھر اسی آیت میں پوری انسانیت کے باہمی رشتے کو ایک خاص شان کے ساتھ ذکر کیا گیا کہ اس نے اپنی حکمت ورحمت سے تم سب کو پیدا کیا، انسان بنایا، سب انسانوں کو ایک ہی انسان یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کرکے سب کو انسانی اخوت و برادری کے ایک مضبوط رشتہ میں باندھ دیا کہ باہمی ہمدردی و خیر خواہی کے حقوق پورے ادا کئے جائیں اور انسانوں میں ذات پات کی تفریق، تمام نسلی امتیازات،، رنگ، لسانیت، علاقائیت کو عزت، ذلت کا معیار نہ بنایا جائے۔

سورۃ آل عمران کی پہلی آیت میں ان احکام کی تمہید ہے جو آگے اس سورت میں آنے والے ہیں اس تمہید میں ایک طرف تو پروردگار عالم کے حقوق سامنے رکھ کر اس کی نافرمانی سے روکا گیا، دوسری طرف تمام افراد انسانی کو ایک باپ کی اولاد بتا کر ان میں محبت اور باہمی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات کو بیدار کیا گیا تا کہ تمام معاشرتی تعلقات اور باہمی حقوق کی ادائیگی صدق دل سے ہو سکے۔

محبت ومودّت کاآفاقی اصول

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔ (النساء۔1)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر ان دونوں سے بہت سارے مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیے۔ ڈرو اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔ (النساء۔1)

Universal principle of love and co-existence

O humanity! Be mindful of your Lord Who created you from a single soul, and from it He created its mate, and through both He spread countless men and women. And be mindful of Allah—in Whose Name you appeal to one another—and ˹honour˺ family ties. Surely Allah is ever Watchful over you. (4:1)

This verse explains the mutual rights of human beings and principles to establish stable family life. The expression 'Who created you from a single soul (*nafs*)' indicates that the creation of the human species began with one couple (Adam and Eve).

اللہ تعالیٰ یایھا الناس کہہ کر تمام انسانوں سے مخاطب ہے کہ ایک جوڑے سے انسانیّت کا آغاز ہوا۔ تمام نسل انسانی ایک ہی آدمؑ کا گھرانہ ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آدم و حوا کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ اس کا فطری تقاضا ہے کہ آپس میں عدل و انصاف کے تعلقات رکھتے ہوئے زندگی بسر کریں۔ دوسرا یہ کہ جس طرح آدم تمام نسل انسانی کے باپ ہیں اسی طرح حوا تمام نسل انسانی کی ماں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حوا کو آدم ہی سے بنایا ہے۔ اس وجہ سے عورت کوئی ذلیل، حقیر و فروتر اور فطری گنہ گار مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ بھی شرف انسانیت میں برابر کی شریک ہے۔

عورت اور مرد دونوں ایک ہی جنس سے ہیں، دونوں ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہیں، دونوں ایک ہی قسم کے گوشت پوست سے بنے ہوئے ہیں۔ ان دو لفظوں میں قرآن نے ان تمام جاہلی نظریات اور غلط مذہبی تصورات کی تردید کر دی جو عورت کو مرد کے مقابل میں، ایک فروتر مخلوق قرار دیتے تھے۔

تیسرا یہ کہ یہ خلق آپ سے آپ وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا خالق اللہ ہے۔ اس وجہ سے یہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس زمین پر کسی کو ظلم وتعدی کا نشانہ بنائے بلکہ ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ رحمدلی، احسان اور بھلائی کی روش اختیار کرے۔ الخلق عیال اللہ فاحبّ الخلق الی اللہ من احسن الیٰ عیالہ۔

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، پس اللہ کو اپنی ساری مخلوق میں زیادہ محبت اُن بندوں سے ہے جو اس کی عیال (یعنی اس کی مخلوق) کے ساتھ احسان اور بھلائی کریں۔ **(حدیث)**

اس آیت میں صلہ رحمی کی بھی تاکید کی گئی۔ اوالارحام کا عطف اللہ پر ہے یعنی رحموں (رشتوں ناطوں) کو توڑنے سے بھی بچو۔ ارحام، رحم کی جمع ہے۔ مراد رشتہ داریاں ہیں جو رحم مادر کی بنیاد پر ہی قائم ہوتی ہیں اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں۔ رشتوں ناتوں کا توڑنا کبیرہ گناہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں۔ احادیث میں قرابت داریوں کو ہر صورت میں قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت بیان کی گئی ہے جسے صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ قرابت داری کو توڑنے، ان کی طرف توجہی وبے التفاتی برتنے کو قطع رحمی سے تعبیر کیا جاتا ہے جو ایک کبیرہ گناہ ہے۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا کہ: لوگو تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو ایک دوسرے پر شفقت کیا کرو، کمزور اور ناتواں کا ساتھ دو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

حدیث: حضور ﷺ نے فرمایا: مَن أحبَّ أن يُبْسَط له في رزقه، وأن يُنسأ له في أثره فليصل رحمه۔ یعنی جس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے۔

اس حدیث سے صلہ رحمی کے دو بڑے اہم فائدے معلوم ہو گئے کہ آخرت کا ثواب تو ہے ہی، دنیا میں بھی صلہ رحمی کا فائدہ یہ ہے کہ رزق کی تنگی دور ہوتی ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

عبد اللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے اور میں حاضر ہوا تو آپ کے وہ مبارک کلمات جو سب سے پہلے میرے کانوں میں پڑے یہ تھے آپؐ نے فرمایا: ياأَيُّها النَّاسُ أَفْشوا السَّلامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ،

وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدخُلُوا الجَنَّةَ بِسَلامٍ۔ اے لوگو! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو، اللہ کی رضاجوئی کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو، صلہ رحمی کیا کرو اور ایسے وقت میں نماز کی طرف سبقت کیا کرو۔

صلہ رحمی کے مقابلہ میں قطع رحمی ہے جس کے بارے میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔

حدیث: لا يدخل الجنة قاطع۔ جو آدمی حقوق قرابت کا خیال نہیں رکھتا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

حدیث: مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس چادریں لپیٹے ہوئے آئے کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضورؐ نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی پھر آیت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (الحشر:18) کی تلاوت کی پھر لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی چنانچہ جس سے جو ہو سکا ان لوگوں کے لئے دیا۔

آیت کے آخر میں خوف خدا پیدا کرنے کیلئے فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے جو تمہارے دلوں اور ارادوں سے باخبر ہے۔ اگر رسمی طور پر یا بے دلی سے کوئی کام بھی کر دیا مگر دل میں جذبہ ایثار و خدمت نہ ہو تو اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ قرآن کریم کا یہ عام اسلوب ہے کہ اپنی ہدایات و احکامات کو محض دنیا کے قانون کی طرح بیان نہیں کرتا۔ بلکہ حاکمانہ انداز کے بجائے مربیانہ انداز اپناتا ہے، محبت و تربیت کے انداز میں بیان کرتا ہے، تاکہ ذہنوں اور دلوں کی اصلاح بھی ہو۔

یتیموں کی نگہداشت

یتیم کے مال میں احتیاط

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا۔ (النساء۔2)

اور یتیموں کا مال (جو تمہاری تحویل میں ہو) ان کے حوالے کر دو۔ اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو اور اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر کھا نہ جاؤ، بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (النساء۔2)

Taking Care of Orphans

Give orphans their wealth ⌜when they reach maturity⌝, and do not exchange your worthless possessions for their valuables, nor cheat them by mixing their wealth with your own. For this would indeed be a great sin. (4:2)

یتیم کا کیا مطلب ہے؟

یتیم کے لفظی معنی اکیلے اور منفرد کے ہیں۔ اسی لئے جو موتی سیپ میں تنہا ایک ہو، اس کو در یتیم کہا جاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں اس بچہ کو یتیم کہا جاتا ہے جس کا والد فوت ہو گیا ہو اور جانوروں میں اس کو یتیم کہا جاتا ہے جس کی ماں مر گئی ہو۔ بالغ ہونے کے بعد شرعی اصطلاح میں اس کو یتیم نہیں کہا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وضاحت ہے: **بلوغت کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔** (مشکوۃ شریف)

یتیم بچوں کی ملکیت میں اگر کچھ مال ہے جو ان کو کسی نے ہبہ کیا ہو، یا کسی کی میراث میں ان کو پہنچ گیا ہو تو یتیم کے ساتھ اس کے مال کی حفاظت بھی اس شخص کے ذمہ ہے جو یتیم کا ولی ہے۔ آیت کے اس جملے میں جو ارشاد فرمایا گیا کہ یتیموں کے مال ان کو پہنچا دو اس کی تشریح آگے پانچویں آیت میں آتی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ ان کے مال ان کو اس وقت پہنچاؤ جب دیکھ لو کہ وہ بالغ ہو گئے اور ان کو اپنے نفع و نقصان اور **اچھے برے کی تمیز** پیدا ہو جائے۔

بلاشبہ **کفالت یتیم** ایک بہت بڑی **سعادت** ہے۔

حدیث: اس دنیا میں سب سے اچھا گھر وہ گھر ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔ اور سب سے برا گھر وہ گھر ہے جس میں ایک یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِـهِـمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا۔

(النساء۔10)

بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں، اور عنقریب آگ میں داخل ہوں گے۔

(النساء۔10)

Indeed, those who unjustly consume orphans' wealth ˹in fact˺ consume nothing but fire into their bellies. And they will be exposed to burning flame. (4:10)

حدیث میں آتا ہے کہ جنگ احد کے بعد حضرت سعد بن ربیعؓ کی بیوہ اپنی دو بچیوں کو لیے ہوئے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! یہ سعدؓ کی بچیاں ہیں جو آپؐ کے ساتھ احد میں شہید ہوئے ہیں۔ ان کے چچا نے پوری جائداد پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے لیے ایک دانہ تک نہیں چھوڑا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

نکاح کی اہمیّت

بیوی کے حقوق کی ادائیگی

حق مہر کی ادائیگی

وَاٰ تُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةًؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا۔ (آل عمران۔4)

اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو، پھر اگر وہ اس میں سے اپنی خوشی سے تمہیں کچھ معاف کر دیں تو تب اسے (اپنے لئے) ساز گار اور خوشگوار سمجھ کر کھاؤ۔ (آل عمران۔4)

And give the women ˹upon marriage˺ their ˹bridal˺ gifts graciously. But if they give up willingly to you anything of it, then take it in satisfaction and ease. (4:4)

بیوی کے مالی حقوق کا آغاز حق مہر سے ہوتا ہے۔ مہر عورت کا حق ہے، جس کی ادائیگی مرد پر لازم ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَآتُواْ النَّسَاء صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً۔ اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ (فرض جانتے ہوئے) ادا کرو۔ (النساء:04)

حق مہر بیوی کو نکاح کے موقع پر دیا جاتا ہے اور یہ بیوی کے نان و نفقہ کے مستقل اخراجات کے علاوہ ہے۔

حق مہر کے حوالے سے عورت پر ظلم و زیادتی کی اقسام

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں حق مہر کے حوالے سے عورت کے ساتھ کئی قسم کے ظلم ہوتے تھے۔

1۔ایک یہ کہ مہر جو عورت کا حق ہے اس کو دیا ہی نہیں جاتا تھا، بلکہ عورت کے اولیاء، شوہر سے وصول کر لیتے تھے جو سراسر ظلم تھا۔اس رواج کو ختم کرنے کے لئے قرآن کریم نے فرمایا: واتوا النسآء صدقٰتھن۔۔یعنی عورتوں کو ان کے مہر دو۔اس حکم کے مخاطب شوہر بھی ہیں کہ وہ اپنی بیوی کا مہر خود بیوی کو دے دیں اور کسی اور کو نہ دیں۔عورت کے اولیاء بھی اس حکم کے مخاطب ہیں کہ اگر مہر ان کو ملے تو یہ عورت کو ہی دیدیں، اس کو اپنے تصرف میں نہ لائیں۔

2۔حق مہر کے حوالے سے دوسرا ظلم یہ تھا کہ اگر کبھی عورت کو مہر دینا بھی پڑ گیا تو بہت تلخی کے ساتھ، بادل ناخواستہ، تاوان سمجھ کر دیتے تھے، اس ظلم کا ازالہ آیت مذکورہ کے اس لفظ نحلہ سے فرمایا گیا، کیونکہ نحلہ لغت میں اس دینے کو کہتے ہیں جو خوش دلی کے ساتھ دیا جائے۔اس آیت میں یہ تعلیم فرمائی گئی کہ عورتوں کا مہر ایک حق واجب ہے، اس کی ادائیگی ضروری ہے اور جس طرح تمام حقوق واجبہ کو خوش دلی کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے اسی طرح مہر کو بھی سمجھنا چاہئے۔

3۔تیسرا ظلم مہر کے بارے میں یہ بھی ہوتا تھا کہ بہت سے شوہر یہ سمجھ کر بیوی مجبور ہے، کمزور ہے مخالفت نہیں کر سکتی، دباؤ ڈال کر بیوی سے حق مہر معاف کرا لیتے تھے، جس سے درحقیقت معافی نہ ہوتی تھی مگر وہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے تھے کہ مہر معاف ہو گیا۔اس ظلم کے انسداد کے لئے آیت مذکورہ میں ارشاد فرمایا فان طبن لکم عن شی منہ نفسا۔۔یعنی اگر دو عورتیں اپنے دل کی خوشی سے اپنے مہر کا کوئی حصہ تمہیں دیدیں یا معاف کر دیں تو اس صورت میں تمہارے لئے وہ حلال اور جائز ہے۔مطلب یہ ہے کہ جبر و اکراہ اور دباؤ کے ذریعہ معافی حاصل کرنا تو کوئی چیز نہیں، اس سے کچھ معاف نہیں ہوتا۔

افسوس ہے کہ جاہلیت کے زمانہ کی یہ باتیں مسلمانوں میں اب بھی موجود ہیں، مختلف علاقوں اور کلچر میں ان مظالم میں سے کوئی نہ کوئی ظلم ضرور پایا جاتا ہے، ان سب مظالم سے بچنا لازم ہے۔

شریعت کا یہ اصول ہے کہ کسی کا ذرا سا مال بھی کسی دوسرے کے لئے حلال نہیں ہے جب تک کہ طیب نفس یعنی دل کی خوشی سے اجازت نہ ہو، بطور قاعدہ کلیہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: خبردار ظلم نہ کرو اور اچھی طرح سے سمجھ لو کہ کسی شخص کا مال (دوسرے شخص کے لئے) حلال نہیں ہے جب تک کہ اس کے نفس کی خوشی سے حاصل نہ ہو۔

یہی زیادتی عورتوں کے ساتھ وراثت کے مال میں بھی کی جاتی ہے۔اکثر یہ ہوتا ہے کہ ماں یا باپ کے فوت ہو جانے پر بیٹے ہی پورے مال پر قابض ہو جاتے ہیں اور بہنوں کو حصہ نہیں دیتے۔اگر کسی کو بہت دینداری کا خیال ہوا تو بہنوں سے معاف کرا لیتا ہے۔وہ چونکہ یہ سمجھتی ہیں کہ حصہ کسی حال میں ملنے والا نہیں، اس لئے اپنی مرضی کے خلاف معاف کرنے کو کہہ دیتی ہیں۔یہ سب حق تلفی کے زمرے میں آتا ہے۔

مساجد و مدارس یا کسی چیریٹی کے لئے اگر چندہ یا فنڈ ریزنگ کی جائے اس میں بھی دینے والے کے طیب نفس کا خیال رکھنا لازم ہے۔ بعض دفعہ وفد کے دباؤ سے اگر کوئی شخص چندہ دے اور دل کی خوشی نہ ہو، صرف شرمندگی سے بچنے کیلئے دے تو ایسا چندہ بھی درست نہیں۔

ذہنی طور پر کمزور لوگوں کے بارے میں احکامات

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (النساء۔5)

اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے گزر بسر کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالہ نہ کرو، البتہ انہیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور ان سے نرم اور اچھے انداز میں گفتگو کرو۔ النساء۔5

Do not entrust the incapable ˹among your dependants˺ with your wealth which Allah has made a means of support for you—but feed and clothe them from it and speak to them kindly. (4:5)

According to the directive embodied in the verse, anyone who entrusts wealth or property to someone else’s care should satisfy himself that the latter is capable of making good use of it. This verse covers a very wide spectrum of meaning. It emphasizes that wealth is one of the main supports of human life. It should not be left, therefore, at the mercy of those who are incompetent to handle it properly, causing damage or harm to others by misuse of wealth. Restrictions should be placed on such person in order that the owner is restrained from spending his resources against his own welfare, collective welfare and interests of the society. The necessities of such person’s life should always be provided for.

یہ آیت مالی آزادی کے حوالے سے ہماری رہنمائی کرتی ہے اور بہت وسیع معنی کی حامل ہے۔اس آیت میں یہ جامع ہدایت فرمائی گئی ہے کہ مال جو زندگی کی ضرورت ہے، بہر حال ایسے نادان لوگوں کے اختیار و تصرف میں نہ رہنا چاہیے جو اسے غلط طریقے سے استعمال کر کے نہ صرف اپنا بلکہ دوسروں کا بھی نقصان کر رہے ہوں جس کے نتیجے میں نظام معاشرت اور نظام اخلاق و کردار کو خراب کر دیں۔ حقوق ملکیت جو کسی شخص کو اپنے املاک پر حاصل ہیں اس قدر غیر محدود نہیں ہیں کہ وہ اگر ان حقوق کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا اہل نہ ہو اور ان کے استعمال سے معاشرتی فساد برپا کر دے تب بھی اس کے وہ حقوق سلب نہ کیے جا سکیں۔ جہاں تک آدمی کی ضروریات زندگی کا تعلق ہے وہ تو ضرور پوری ہونی چاہئیں، لیکن جہاں تک مالکانہ حقوق کے آزادانہ استعمال کا تعلق ہے اس پر یہ پابندی عائد ہونی چاہیے کہ یہ استعمال اخلاق و تہذیب اور اجتماعی حدود و قیود کے لیے مضر نہ ہو۔ اس ہدایت کے مطابق ہر صاحب مال کو اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہ اپنا مال جس کے حوالے کر رہا ہے وہ اس کے استعمال کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔ اسی طرح حکومت وقت کو اس امر کا انتظام کرنا چاہیے کہ جو لوگ اپنے اموال پر خود ذمہ دارانہ تصرف کے اہل نہ ہوں یا جو لوگ اپنی دولت کے ذریعے معاشرتی فساد برپا کر رہے ہوں، ان کی املاک پر ان کے تصرف کو محدود کر دیا جائے تا کہ وہ اپنے دولت کے ذریعے اپنا اور دوسروں کا نقصان نہ کریں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں یتیم کے مال ان کے حوالے کرنے کے لیے دو شرائط عائد کی گئیں: ایک بالغ ہونا اور دوسرا رشد، یعنی مال کے صحیح استعمال کی اہلیت۔

تیرھواں رکوع: يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ۔۔۔ (النساء۔11)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

یہ سارا رکوع وراثت کے احکامات و مسائل پر مشتمل ہے۔ اس رکوع کی پہلی آیت کریمہ آیت میراث کہلاتی ہے۔ اس کے بعد کی آیت، پچھلے رکوع کی دو آیات اور اس سورت کے خاتمہ کی آیت کا تعلق بھی وراثت کے احکام سے ہے۔ ان آیات کی تفسیر کو یہاں جمع کر دیا گیا ہے تا کہ موضوعاتی ترتیب میں آسانی ہو۔

ترکہ کی تقسیم کی ترتیب اور طریقہ کار:

1۔ پہلا مرحلہ: تجہیز و تکفین کے اخراجات۔

2۔ دوسرا مرحلہ: میت کے ذمہ قرض اور مالی فرائض کی ادائیگی۔

3۔ تیسرا مرحلہ: مالی وصیت (اگر کوئی ہے تو) پر عمل۔

4۔ چوتھا مرحلہ: تقسیم وراثت۔

تقسیم وراثت کے وقت وسعت قلبی کا مظاہرہ کرو، احکام وراثت کی اہمیت۔

وراثت کے احکامات ومسائل

اللہ تعالی تمہیں اولاد میں مال تقسیم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یوصیکم اللہ فی اولادکم۔۔۔ (النساء۔11)

حدیث: رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس ان کی بیماری کے زمانے میں ان کی عیادت کو گئے۔ حضرت سعد نے کہا: یارسول اللہؐ! میرے پاس مال بہت ہے اور میری ایک ہی بیٹی ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنا دو تہائی مال اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں آپؐ نے فرمایا: نہیں، انہوں نے پوچھا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجئے آپؐ نے فرمایا خیر لیکن یہ بھی زیادہ ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ۔

تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جائے یہ اس سے بہتر ہے تو کہ تو انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ (بخاری ومسلم)

اسلام کا متوازن قانون وراثت

مشرکین عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مر جاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اس کا مال مل جاتا چھوٹی اولاد اور عورتیں بالکل محروم رہتیں اسلام نے وراثت کے احکامات نازل فرما کر سب کی مساویانہ حیثیت قائم کر دی کہ وارث تو سب ہوں گے خواہ قرابت حقیقی ہو یا بوجہ عقد زوجیت کے ہو، سب کو کم وبیش حصہ ملے گا۔ اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اور صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے، سارے مال کے وارث قرار پاتے۔ اسلام نے اولاد میں سے ہر ایک کو وارث بنایا۔ یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے اپنی کچھ اولاد چھوڑی اور بیوی کے پیٹ میں بھی بچہ ہے تو یہ جنین بھی وارثوں کی فہرست میں آئے گا۔ اس کی ولادت تک تقسیم میراث ملتوی رکھنا مناسب ہو گا تاکہ یہ نومولود بچہ یا بچی بھی وراثت سے محروم نہ رہ جائے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتوں اور بچے بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہونگے انہیں محروم نہیں کیا جائے گا۔ تاہم یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصے سے نصف ہے۔ یہ عورت پر ظلم نہیں ہے اور نہ ہی اس کا استخفاف ہے بلکہ اسلام کا یہ قانونِ میراث عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے۔ اسی طرح عورت کے مقابلے میں

مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں اس کے باوجود عورت کو وراثت سے محروم نہیں کیا گیا۔ بلکہ بعض صورتوں میں عورت زیادہ کی بھی حقدار بن سکتی ہے۔ مثلاً مال وراثت میں عورت کا حصّہ صرف بحیثیت بیٹی ہی مقرر نہیں ہے بلکہ بحیثیت ماں، بحیثیت بیوی اور بحیثیت بہن بھی الگ الگ حصّہ مقرر ہے۔ اس لحاظ سے وہ اپنے والدین، اپنے خاوند، اپنے بھائی اور اپنی اولاد کے مال کی بھی وارث اور اپنے حصے کی حقدار ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا۔ (النساء۔7)

مردوں کا اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کا بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ النساء۔7

Shares of Inheritance

For men there is a share in what their parents and close relatives leave, and for women there is a share in what their parents and close relatives leave—whether it is little or much. ˹These are˺ obligatory shares. (4:7)

According to Islamic law of inheritance, a female—whether she is a mother, a wife, a sister, a daughter, etc.—gets one of three shares, depending on her closeness to the deceased:

If she is a daughter, she will get half of the share of her brother, since he—unlike his sister—has to provide for the family and pay a dowry at the time of his marriage.

But in some cases, a female will receive more than a male's share. For example, if a man leaves £24 000 and six sons, two brothers, a wife, and a mother. The wife will get one-eighth (£3000), the mother one-sixth (£4000), each of the sons will receive about £2 833 and the two brothers will not get anything.

وراثت کے مسائل

ورثہ تقسیم کرنے سے پہلے چند اخراجات کی ادائیگی:

تجہیز وتدفین: کفن دفن کے اخراجات۔

قرض ومالی لین دین: سارے قرضے اتار دیے جائیں جس میں ادھار، مہر، زکوۃ اور چھوڑے ہوئے روزوں کا کفارہ شامل ہے۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر میت کا مال اتنا ہے کہ بیوی کا حق مہر ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو بھی پورا مال مہر میں عورت کو دے دیا جائے گا اور کسی وارث کو کچھ حصہ نہ ملے گا۔

اگر میت پر حج فرض تھا تو ورثا کی رضامندی سے حج بدل بھی کیا جاسکتا ہے۔

ہبہ یا تحفہ۔ میت اگر اپنی زندگی میں کسی کو کوئی چیز بطور تحفہ دے کر مالک بنا گیا ہو تو وہ چیز واپس نہیں لی جاسکتی۔

وصیت پر عمل۔ یہ زبانی بھی ہو سکتی ہے اور تحریری بھی۔ یہ ورثے کی کل مقدار کا ایک تہائی تک ہو سکتی ہے۔ یہ مرنے کے بعد ہی دی جاتی ہے اور وارثوں کو نہیں مل سکتی۔ (حدیث: لا وصیت لوارث)

وصیت کے متعلق سورۃ البقرہ آیت:186 میں تفصیل گذر چکی ہے کہ آدمی کو اپنے کل مال کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنے کا اختیار ہے، اور یہ وصیت کا قاعدہ اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ قانون وراثت کی رو سے جن عزیزوں کو میراث میں سے حصہ نہیں پہنچتا ان میں سے کسی کو یا کسی اور فرد جس کو آدمی مدد کا مستحق پاتا ہو اس کے لیے اپنے اختیار سے حصہ مقرر کر دے۔ مثلاً کوئی یتیم پوتا یا پوتی موجود ہے، یا کسی بیٹے کی بیوہ مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے، یا کوئی بھائی یا بہن یا اور کوئی عزیز ایسا ہے جو سہارے کا محتاج نظر آتا ہے، تو اس کے حق میں وصیت کے ذریعہ سے حصہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہیں ہے تو دوسرے مستحقین کے لیے یا کسی رفاہ عامہ کے کام میں صرف کرنے کے لیے وصیت کی جاسکتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کی کل ملکیت میں سے دو تہائی کے متعلق شریعت نے میراث کا ضابطہ بنا دیا ہے جس میں سے شریعت کے نامزد کردہ وارثوں کو مقررہ حصہ ملے گا۔ اور ایک تہائی کو خود اس کی صوابدید پر چھوڑا گیا ہے کہ اپنے مخصوص خاندانی حالات کے لحاظ سے (جو ظاہر ہے کہ ہر آدمی کے معاملہ میں مختلف ہوں گے) جس طرح مناسب سمجھے تقسیم کرنے کی وصیت کر دے۔ ورثاء کی ذمہ داری ہے کہ وہ میت کی وصیت کا احترام کریں اور اس کو اس کی روح کے مطابق نافذ کریں۔

(وصیت کے احکام سے متعلق مزید دیکھئے تذکیر بالقرآن۔ پارہ:2 رکوع:6، آیت۔ البقرہ:186)

اس آیت کے آخری الفاظ بہت توجہ طلب ہیں۔ فرمایا:

مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا۔ (النساء۔7)

یعنی وراثت کے سارے مال کو تقسیم کیا جائے خواہ مال تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

ان الفاظ سے ایک بہت بڑی جاہلانہ رسم کی اصلاح فرمائی گئی ہے۔ وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں وراثت کے بعض مال پر میت کے بیٹے خود بخود اپنا قبضہ جما لیتے تھے۔ مثلاً گھوڑا اور تلوار وغیرہ یہ صرف نوجوان مردوں کا حق تھا، دوسرے وارثوں کو ان سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم کی اس ہدایت نے بتلا دیا کہ میت کی ملکیت میں جو چیز بھی تھی، خواہ بڑی ہو یا چھوٹی ہر چیز میں ہر وارث کا حق ہے، کسی وارث کو کوئی خاص چیز بغیر تقسیم کے خود رکھ لینا جائز نہیں۔

موجودہ دور میں عموماً میت کا بزنس، فیکٹری، دوکان، سامان تجارت پر صرف بیٹوں کو حقدار سمجھا جاتا ہے حالانکہ وراثت کے شرعی اصول کے مطابق میت جو مال بھی چھوڑتا ہے وہ میراث ہے اور اس سارے مال کی منصفانہ تقسیم ضروری ہے الا یہ کہ میت اپنی زندگی میں کوئی چیز کسی کو تحفہ میں دے جائے۔ تحفہ یا ہبہ میں بھی اولاد کے درمیان عدل ضروری ہے ورنہ یہ زیادتی ہو گی۔ فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر میت نے ایک گز کپڑا چھوڑا ہے اور دس وارث ہیں تو وہ کپڑا دس حصوں میں کاٹ کر وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا الا یہ کہ کوئی ایک اس کو خرید لے اور رقم بقدر حصہ تقسیم کر دی جائے۔

تقسیم وراثت کے وقت وسعت قلبی کا مظاہرہ کرو

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۔ (النساء۔8)

اور جب میراث کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج آجائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو۔ اور شیریں کلامی سے پیش آیا کرو۔ (النساء۔8)

If ⌜non-inheriting⌝ relatives, orphans, or the needy are present at the time of distribution, offer them a provision from it and speak to them kindly. (4:8)

اس آیت کو بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے یہ منسوخ نہیں، بلکہ تقسیم وراثت کے حوالے سے ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے۔ کہ امداد کے مستحق رشتے داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصے دار نہ بھی ہوں تو بھی انہیں تقسیم کے وقت کچھ دے دو۔ میراث کی تقسیم کے موقع پر کنبہ کے غریب و مسکین لوگ اور یتیم بچے آجائیں ان کے ساتھ تنگ دلی نہ برتو۔ نیز ان سے بات بھی اخلاق اور محبت سے کرو۔ میراث میں ازروئے شرع ان کا حصہ نہیں

ہے تو نہ سہی، وسعت قلب سے کام لے کر ترکہ میں سے ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو، اور ان کے ساتھ وہ دل شکن باتیں نہ کرو جو ایسے مواقع پر بالعموم چھوٹے دل کے کم ظرف لوگ کیا کرتے ہیں۔

میت کے رشتہ داروں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو ضابطہ شرعی کے ماتحت اس کی میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا لیکن اگر اس قرآنی آیت اور اس میں بیان کردہ اخلاقی اصول کو سمجھ لیا جائے تو یتیم پوتے پوتیاں یا یتیم نواسے نواسیاں جو اگرچہ باقاعدہ وارث نہیں لیکن اگر وہ ضرورت مند ہوں تو اس آیت کی رو سے ان کیلئے وراثت میں سے مال دیا جاسکتا ہے۔

زندگی میں ہی وراثت کی تقسیم

وراثت کی تقسیم کسی شخص کی وفات کے بعد ہوتی ہے۔ اس کی موت کے وقت جو قریبی رشتہ دار زندہ ہوتے ہیں، وہ شریعت کی بتائی ہوئی تفصیلات کے مطابق اپنا حصہ پاتے ہیں۔ وراثت کسی شخص کی زندگی میں تقسیم نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ہی اپنا مال وجائیداد تقسیم کرنا چاہے تو اسے شرعی اصطلاح میں اسے ہبہ یا گفٹ کہتے ہیں لیکن ہبہ کرتے وقت تعلیم یہ ہے کہ تقسیم میں عدل وانصاف اور مساوات کی جائے۔ جتنا لڑکے کو دیا جائے اتنا ہی لڑکی کو بھی دیا جائے۔

حدیث: حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اتّقوالله وأعدلوا فی أولادکم۔

اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف سے کام لو۔ (بخاری، مسلم)

امام بخاریؒ نے اس ضمن میں لکھا ہے: کوئی شخص اپنی اولاد میں سے کسی کو کوئی چیز دے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ چیز دوسروں کو نہ دے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ انصاف سے کام لے اور جو چیز ایک کو دی ہے وہ دوسروں کو بھی دے۔ (باب الہبۃ للولد)

قرآن مجید میں رشتوں کی پاس داری کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا۔

اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو (اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو) یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔ (سورۃ النساء:1)

آخری عمر میں والدین اولاد کے حسن سلوک کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں۔اس کے بجائے اگر اولاد کی نظر والدین کے مال پر ہو اور وہ کسی طرح اسے حاصل کر لینے کی تدبیریں سوچیں تو اس رویّے کو پسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔بعض دفعہ اولاد والدین کی زندگی میں ہی انھیں ہبہ کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیتی ہے جو ایک خود غرضانہ حرکت ہے۔اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین

احکام وراثت کی اہمیت

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ (النساء۔13)

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔(النساء۔13)

These ˹entitlements˺ are the limits set by Allah. Whoever obeys Allah and His Messenger will be admitted into Gardens under which rivers flow, to stay there forever. That is the ultimate achievement! (4:13)

اللہ، رسول کی نافرمانی سے ڈرو

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۔(النساء۔14)

اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا اُسے اللہ آگ میں ڈالے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔(النساء۔14)

But whoever disobeys Allah and His Messenger and exceeds their limits will be cast into Hell, to stay there forever. And they will suffer a disgraceful punishment. (4:14)

چودہواں رکوع: وَالّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ۔۔۔ (النساء۔14)

رکوع کے تفسیری موضوعات:

توبہ کی اہمیت، توبہ کی تعریف اور حقیقت، حقوق الزوجین، خواتین سے حسن سلوک کی تاکید، عورت پر ظلم و زیادتی کی ممانعت، اسلام سے پہلے عورت پر ہونے والے مظالم کا انسداد۔

توبہ میں جلدی

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَـةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْـهِمْ ۗوَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا۔ (النساء۔17)

وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے سے گناہ کا کام کرتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ معاف کر دیتا ہے، اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا ہے۔(نساء۔17)

Allah accepts the repentance of those who commit evil ignorantly ˹or recklessly˺ then repent soon after—Allah will pardon them. And Allah is All-Knowing, All-Wise. (4:17)

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّـىْ تُبْتُ الْاٰنَ۔۔۔ النساء۔ 18

اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہے جو برے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اس وقت کہتا ہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں۔۔۔

It is not true repentance when people continue to do evil until death confronts them and then say “Now I repent!” .... (4:17)

توبہ کے معنی رجوع الی اللہ کے ہیں۔ گناہ کے بعد بندے کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک غلام، جو اپنے آقا کا نافرمان بن گیا تھا اب اپنے کیے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرماں برداری کی طرف پلٹ آیا ہے۔ اور خدا کی طرف سے بندے پر توبہ یہ معنی رکھتی ہے کہ بندے کی طرف آقا کی نظر رحمت جو پھر گئی تھی وہ از سر نو اس کی طرف منعطف ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ میرے ہاں معافی ان بندوں کے لیے ہے جو نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں، اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں۔ ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم

ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹیں گے اس کا دروازہ کھلا پائیں گے۔ مگر توبہ ان کے لیے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف اور بے پرواہو کر تمام عمر گناہ پر گناہ کیے چلے جائیں اور پھر عین اس وقت جبکہ موت کا فرشتہ سامنے کھڑا ہو معافی مانگنے لگیں۔ اسی مضمون کو نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ: ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر۔ اللہ بندے کی توبہ بس اسی وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ آثار موت شروع نہ ہوں۔ کیونکہ امتحان کی مہلت جب پوری ہو گئی اور کتاب زندگی ختم ہو چکی تو اب پلٹنے کا کونسا موقع ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص بغیر اسلام کے دنیا سے رخصت ہو جائے اور دوسری زندگی کی سرحد میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو وہ دنیا میں سمجھتا رہا تو اس وقت معافی مانگنے کا کوئی موقع نہیں۔

کیا قصد واختیار سے کیا ہوا گناہ معاف نہیں ہوتا؟

اس آیت میں بجھالۃ کا لفظ آیا ہے جس کا ظاہری مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر کوئی نادانی سے گناہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو گی، جان بوجھ کر کرے تو توبہ قبول نہیں ہو گی۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جو تفسیر اس آیت کی بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ جہالۃ سے اسی جگہ یہ مراد نہیں ہے کہ اس کو گناہ کے گناہ ہونے کا پتہ نہ ہو یا گناہ کا قصد وارادہ نہ ہو، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کو گناہ کے انجام بد اور اخروی عذاب سے غفلت اس گناہ پر اقدام کا سبب ہو گئی، اگرچہ گناہ کو گناہ جانتا ہو اور اس کا قصد وارادہ بھی کیا ہو۔ دوسرے الفاظ میں جہالت کا لفظ اس جگہ حماقت وبیوقوفی کے معنی میں ہے۔ ابو العالیہؒ اور قتادہؒ نے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اس پر متفق تھے کہ: کل ذنب اصابہ عبد فھو جھالۃ عمداً اوغیرہ۔ یعنی بندہ جو گناہ بھی کرتا ہے خواہ بلا قصد ہو یا بالقصد بہر حال وہ جہالت ہی ہے۔ امام تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا: کل عامل بمعصیتہ اللہ فھو جاھل حین عملھا۔ یعنی جو شخص کسی کام میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہا ہے وہ یہ کام کرتے ہوئے جاہل ہی ہے اگرچہ صورت میں بڑا عالم نظر آتا ہو۔ (ابن کثیر)

اسی لئے حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ: امور الدنیا کلھا جھالۃ۔ یعنی دنیا کے وہ سارے کام جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت سے خارج ہوں سب کے سب جہالت ہیں۔

اس لئے صحابہ وتابعین اور تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص قصداً کسی گناہ کا مرتکب ہو اس کی بھی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ (بحر محیط)

آیت مذکورہ میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ اس میں قبول توبہ کے لئے یہ شرط بتلائی ہے کہ قریب زمانہ میں ہی توبہ کر لے، توبہ کرنے میں دیر نہ کرے، اس میں قریب کا کیا مطلب ہے، اور کتنا زمانہ قریب میں داخل ہے؟ رسول کریم ﷺ نے اس کی

تفسیر ایک حدیث میں خود ہی بیان فرمادی: ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر۔ اللہ بندے کی توبہ بس اسی وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ آثار موت شروع نہ ہوں۔

خلاصہ یہ کہ من قریب کی تفسیر جو خود رسول کریمؐ نے فرمائی، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری عمر کا زمانہ قریب ہی میں داخل ہے، موت سے پہلے پہلے جو توبہ کرلی جاوے قبول ہوگی۔ البتہ غرغرہ موت کے وقت کی توبہ مقبول نہیں۔ اس آیت میں من قریب کا لفظ بڑھا کر اس کی طرف اشارہ کردیا گیا کہ انسان کی ساری عمر ہی ایک قلیل زمانہ ہے اور موت جس کو وہ بعید سمجھ رہاہے اس کے بالکل قریب ہے۔

اس میں بیان فرمایا کہ ان لوگوں کی توبہ قابل قبول نہیں جو عمر بھر جرأت کے ساتھ گناہ کرتے رہے اور جب موت سر پر آپہنچی اور نزع روح شروع ہوگیا، موت کے فرشتے سامنے آگئے، اس وقت کہنے لگے کہ ہم اب توبہ کرتے ہیں، انہوں نے فرصت عمر گنوا کر توبہ کا وقت کھودیا، اس لئے ان کی توبہ مقبول نہیں ہوگی، جیسے فرعون کی توبہ جس نے غرق ہونے کے وقت پکارا کہ ہم رب موسیٰ وہارون پر ایمان لاتے ہیں تو ان کو جواب ملا کہ کیا اب ایمان لاتے ہو جب ایمان لانے کا وقت گزر چکا؟

توبہ کی تعــــریف اور حقیقت

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ گناہ کے تین درجے ہیں:

1۔ پہلا یہ کہ کسی گناہ کا کبھی ارتکاب ہی نہ ہو، یہ تو فرشتوں اور انبیاء کا درجہ اور خصوصیت ہے۔

2۔ گناہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ گناہوں پر اقدام کرے اور پھر ان پر اصرار جاری رہے، کبھی ان پر ندامت اور ان کے ترک کا خیال نہ آئے یہ درجہ شیاطین کا ہے

3۔ تیسرا مقام بنی آدم کا ہے کہ گناہ سرزد ہو تو فوراً اس پر ندامت ہو، اور آئندہ اس کے ترک کا پختہ عزم ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ گناہ سرزد ہونے کے بعد توبہ نہ کرنا شیاطین کا وطیرہ ہے اس لئے باجماع امت توبہ فرض ہے، قرآن مجید کا ارشاد ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ (تحریم۔8)

یعنی ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو سچی توبہ، تو کچھ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کا کفارہ کردیں اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کردیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

کریم الکرما اور رحیم الرحماء کی بارگاہ رحمت کی شان دیکھئے کہ انسان ساری عمر اس کی نافرمانی میں مبتلا رہے، مگر موت سے پہلے سچے دل سے توبہ کرلے تو صرف یہی نہیں کہ اس کا قصور معاف کردیا جائے بلکہ اس کو اپنے محبوب بندوں میں داخل کرکے جنت کا وارث بنادیا جاتا ہے۔

حدیث: حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ۔

یعنی گناہ سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے جس نے گویا گناہ کیا ہی نہ تھا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب بندہ کسی گناہ سے توبہ کرے اور وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہوجائے، تو صرف یہی نہیں کہ اس پر مواخذہ نہ ہو، بلکہ اس کو فرشتوں کے لکھے ہوئے نامہ اعمال سے مٹادیا جاتا ہے، تاکہ اس کی رسوائی بھی نہ ہو۔

البتہ یہ ضروری ہے کہ توبہ سچی اور توبتہ النصوح ہو، جس کی تین شرائط ہیں۔

1۔ توبہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ اپنے کئے پر ندامت اور شرمساری کرے۔ حدیث میں ارشاد ہے: انما التوبۃ الندم یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔

2۔ توبہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ جس گناہوں کا ارتکاب کیا ہے ان کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کو بھی اس سے باز رہنے کا پختہ عزم وارادہ کرے۔

3۔ توبہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ گناہوں کی تلافی کی فکر کرے۔ یعنی جو حقوق اللہ اور حقوق العباد پامال ہوچکے ہیں ان کی تلافی کرے۔ مثلاً نماز روزے فوت ہوئے ہیں تو ان کی قضا کرے۔ فرض زکوۃ ادا نہیں کی اب حسب استطاعت ادا کرنے کی فکر کرے۔ کسی کا قرض دینا ہے تو اس کو واپس کرے۔ کسی کا حق مارا ہوا ہے تو اس کی تلافی کرے۔ کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے معافی طلب کرے وغیرہ۔

حقوق الزّوجین

خواتین سے حسن سلوک کی تاکید

اسلام میں بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم ہے جس کی قرآن نے بڑی تاکید کی ہے اور احادیث میں بھی نبی اکرم ﷺ نے اس کی بڑی وضاحت فرمائی ہے۔

حدیث: أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ

زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہیں اور جو عورتوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے ہیں۔(ترمذی،ابو داؤد)

اسلام سے پہلے عورتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔اسلام نے عورت کو ماں،بیٹی،بہن اور بیوی کے روپ میں ایک عزت کا مقام و مرتبہ عطا کیا۔

حدیث: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے سب سے بہتر ہیں۔

اسلام نے عورت کو جہاں معاشرے میں امتیازی مقام عطا کیا وہیں وراثت اور نان ونفقہ کا حق بھی اسے فراہم کیا۔ساتھ ہی مرد کو یہ ذمہ داری دی کہ وہ عورتوں کی کفالت ودیگر ضروریات کی تکمیل کرے اور اس کو تحفظ فراہم کرے

عیوب پر نظر کے بجائے خوبیوں پر رکھو

بعض اوقات ازدواجی زندگی کی ابتداء میں بیوی کی بعض باتیں شوہر کو ناگوار محسوس ہوتی ہیں یا شوہر کی بعض باتیں بیوی کو ناگوار محسوس ہوتی ہیں جس سے وہ ایک دوسرے سے بددل ہو جاتے ہیں۔لیکن اگر وہ صبر سے کام لیں اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں تو اس کے مثبت نتائج بر آمد ہوسکتے ہیں۔لہٰذا یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ آدمی ازدواجی تعلق کو منقطع کرنے میں جلد بازی سے کام لے۔طلاق بالکل آخری چارہ کار ہے جس کو ناگزیر حالات ہی میں استعمال کرنا چاہیے۔نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔یعنی طلاق اگرچہ جائز ہے مگر تمام جائز کاموں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند اگر کوئی چیز ہے تو وہ طلاق ہے۔

عورت پر ظلم وزیادتی کی ممانعت

يٰٓ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا۔ النساء۔19

اے ایمان والو! تمھیں یہ حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو میراث میں لے لو۔(النساء۔19)

O You who have believed! It is not permissible for you to inherit women against their will… (4:19)

اسلام سے پہلے عورتوں پر ہونیوالے مظالم کا انسداد

ان تین آیتوں میں ان مظالم کی روک تھام ہے جو اسلام سے پہلے عورت کئے جاتے تھے۔ ان میں ایک بہت بڑا ظلم یہ تھا کہ مرد عورتوں کی جان ومال کا اپنے آپ کو مالک سمجھتے تھے، عورت جس کے نکاح میں آگئی وہ اس کی جان کو بھی اپنی ملکیت سمجھتا تھا اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث جس طرح اس کے متروکہ مال کے وارث اور مالک ہوتے تھے اسی طرح اس کی بیوی کے بھی وارث اور مالک مانے جاتے تھے۔

اسلام سے قبل عورت پر ایک ظلم یہ بھی ہوتا تھا کہ شوہر کے مرجانے کے بعد اس کے گھر کے لوگ اس کے مال کی طرح اس کی عورت کے بھی زبردستی وارث بن بیٹھتے تھے اور خود اپنی مرضی سے، اس کی رضامندی کے بغیر اس سے نکاح کرلیتے حتیٰ کہ سوتیلا بیٹا تک بھی مرنے والے باپ کی عورت سے نکاح کرلیتا اور اگر چاہتے تو کسی اور جگہ نکاح نہ کرنے دیتے تھے۔ اور ساری عمر وہ عورت یونہی رہنے پر مجبور ہوتی۔ اسلام نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع فرمایا۔

ایک ظلم یہ بھی کیا جاتا تھا کہ اگر خاوند کو بیوی پسند نہ ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا تو از خود اس کو طلاق نہ دیتا بلکہ اسے خوب تنگ کرتا تاکہ وہ مجبور ہو کر حق مہر جو خاوند نے اسے دیا ہوتا، از خود واپس کرکے اس سے خلاصی پانے کو ترجیح دیتی، اسلام نے اس حرکت کو بھی ظلم قرار دیا۔

ایک یہ ظلم تھا کہ جو مال عورت کو کہیں سے وراثت میں ملا یا اس کے میکہ والوں کی طرف سے بطور ہدیہ تحفہ ملا، بیچاری عورت اس سب سے محروم وبے تعلق رہتی اور یہ سب مال سسرال کے مرد ہضم کرلیتے تھے۔

ایک ظلم یہ ہوتا تھا کہ مرد اس کو نکاح کرنے سے اس لئے روکتے تھے کہ یہ اپنا مال باہر نہ لے جاسکے بلکہ یہیں مرجائے تاکہ ہم اس کی جائیداد کے وارث بن سکیں۔

یہ سب مظالم اس بنیاد پر ہوتے تھے کہ عورت کے مال بلکہ اس کی جان کا بھی اپنے آپ کو مالک سمجھا جاتا تھا، قرآن کریم نے اس فساد کی اس جڑ کو اکھاڑ ڈالا اور اس کے تحت ہونے والے تمام مظالم کے انسداد کے لئے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں کہ تم جبراً عورتوں کے مالک بن بیٹھو۔

عورت کے ساتھ ظلم وزیادتی کے یہ سارے طریقے ناجائز اور حرام ہیں۔

چوتھے پارے کا آخری رکوع: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ۔۔۔ (النساء۔23)

محرّمات۔ سورہ نساء آیت 23 میں جن عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، ان کی تفصیل بیان کی جارہی ہے۔

نسبی، رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان اس آیت کریمہ میں ہو رہا ہے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں سات عورتیں نسب (خونی رشتہ) کی وجہ سے حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔

خلاصہ قرآن پر اپنی قیمتی تجاویز، آرا، اور تبصروں سے ضرور آگاہ فرمائیں

For Feedback, Comments and Suggestions Please Contact:

Mobile: +44 785 3099 327

Email: hafizmsajjad@gmail.com